15 - 21 ستمبر 2019ء

PAK NEWS PAPERS

جسارت

سنڈے میگزین

فسبح بحمد ربك واستغفره

۵۰ واں

ایڈیشن

یہ جو تم لوگ ہو احساس میں جلتے ہوئے لوگ
تم زمین زاد نہ ہوتے تو ستارے ہوتے

نام ہی 786 کافی ہے

WHATSAPP GROUP : PAK NEWS PAPERS

اگر آپ پاک نیوز پیپرز واٹس ایپ گروپ میں ایڈ ہونا اور مندرجہ ذیل مواد حاصل کرنا چاہتے ہیں

١۔ اسلامی اصلاحی مواد
٢۔ تمام پاکستانی اخبارات
٣۔ روزانہ نوکریوں کے اشتہارات
٤۔ ہر گھنٹے کی ٹی وی خبریں
٥۔ انٹرنیشنل اخبارات
٦۔ پاکستانی ٹینڈرز اور ایڈمیشنز اشتہارات
٧۔ کرکٹ میچ اپڈیٹس
٨۔ سنڈے میگزین
٩۔ پاکستانی ٹی وی نیوز چینلز ٹاک شوز
١٠۔ پاکستانی ٹی وی گیم شوز
١١۔ انٹرنیشنل میگزین
١٢۔ کوکنگ' سلائی اور کمپیوٹر کورس ویڈیوز
١٣۔ بچوں کے کارٹونز
١٤۔ سبق آموز ویڈیوز
١٥۔ پاکستانی اور انڈین ٹی وی ڈرامے
١٦۔ حقیقت ٹی وی ویڈیوز
١٧۔ اقوال زریں
١٨۔ پاکستانی' انڈین' انگلش ٹی وی فلمیں
١٩۔ تعلیمی اور معلوماتی کتابیں
٢٠۔ ہر مہینے ناولز اور ماہانہ ڈائجسٹ

ابھی گروپ میں ایڈ ہونے کی ماہانہ فیس صرف 50 روپے جازکیش یا ایزی پیسہ اکاؤنٹ میں جمع کروا کر ایڈ ہو سکتے ہیں جو ہر مہینے جمع کروانا لازم ہوگی۔

فیس جمع کروانے کا طریقہ

کسی بھی جازموبی کیش یا ایزی پیسہ شاپ پر جا کر مندرجہ ذیل نمبرز پر ایڈوانس ماہانہ فیس جازکیش یا ایزی پیسہ اکاؤنٹ میں ادا کریں اور کال کر کے اپنا نمبر ہمارے واٹس ایپ گروپ میں ایڈ کروائیں

جازکیش اکاؤنٹ کے ذریعے فیس اس نمبر پر ادا کریں **0302-3204429**

ایزی پیسہ اکاؤنٹ کے ذریعے فیس اس نمبر پر ادا کریں **0348-2036026**

ایزی لوڈ بھیجنے والا میمبر واٹس ایپ گروپ پاک نیوز پیپرز میں ایڈ **نہیں** کیا جائے گا۔

جازکیش یا ایزی پیسہ شاپ سے کم سے کم 100 روپے کا کیش بھیجا جا سکتا ہے لہذا ممبران 02 ماہ کی فیس ایک ساتھ جمع کروا سکتے ہیں۔

پاک نیوز پیپرز واٹس ایپ گروپ رولز اور نوٹ

١۔ نکالوں سے ہوشیار رہیں دیے گئے نمبرز کے علاوہ کسی دوسرے نمبر پر فیس ادا نہ کریں۔
٢۔ فیک پاک نیوز پیپرز گروپ بنا کر فیس لینے والوں سے پاک نیوز پیپرز کا کوئی تعلق نہیں فل فور ہمارے گروپ سے نکال دیا جائے گا۔
٣۔ کوئی بھی پوسٹس یا کمینٹس کرنے پر گروپ سے نکالا گیا میمبر کو گروپ فیس کی واپسی کا مجاز نہیں۔
٤۔ گروپ میں ٹرائل نہیں دیا جاتا' جو میمبر فیس ادا کرتا ہے وہی ایڈ کیا جاتا ہے۔
٥۔ پاک نیوز پیپرز میں میمبرز کو ایڈمنز کی اجازت کے بغیر کسی بھی طرح کی پوسٹ کرنا منع ہے۔
٦۔ گروپ میں نمبر تبدیل کرنے اور ڈمانڈ کرنے کی اجازت نہیں ہے' ایڈمن پینل جو مواد بتا چکا وہی گروپ میں ملے گا۔
٧۔ کوئی سپیشل ڈمانڈ پوری نہیں کی جائے گی۔ **پاکستان کا سب سے بڑا نمبر 1 واٹس ایپ گروپ**

PAK NEWS PAPERS HELP LINK CLICK HERE

قرآنی اندازِ دعوت

جاہلوں سے نہ اُلجھو

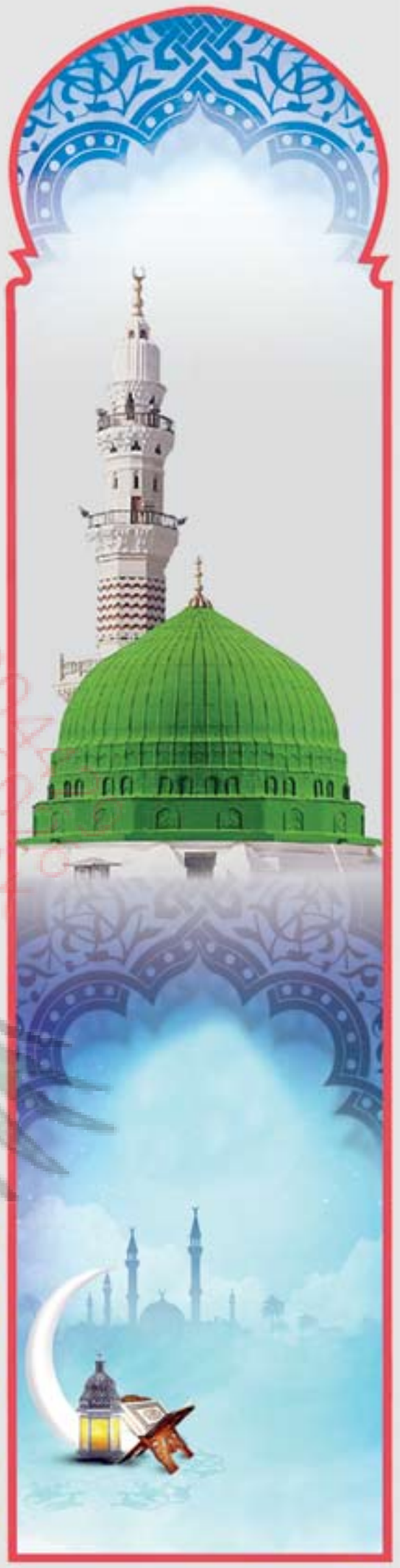

سورۃ الاعراف آیت 199 سے 202 میں ارشاد ہوا:۔ اے نبیؐ، نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ، اور جاہلوں سے نہ اُلجھو۔ اگر کبھی شیطان تمہیں اُکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو، وہ سب کچھ سُننے اور جاننے والا ہے۔ حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں اُن کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی بُرا خیال انہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر اُنہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ اُن کے لیے صحیح طریق کار کیا ہے۔ رہے ان کے (یعنی شیاطین کے) بھائی بند تو وہ اُنہیں ان کی کج روی میں کھینچے لیے چلے جاتے ہیں اور انہیں بھٹکانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے۔

معروف کا حکم:۔

تمام تعریف اور شکر اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ جس نے ہمیں پیدا کیا، عقل مندی بخشی، اچھائی اور برائی کی پہچان عطا کی، اور ہماری ہدایت اور رہنمائی کے لیے اپنے بہترین بندوں کو بھیجا، لاکھوں کروڑوں درود و سلام ہو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر جنہوں نے آدمؑ کی اولاد کو اللہ کا آخری پیغام پہنچایا۔ آدمیت کی تعلیم دی، اُنہیں اچھے انسانوں کی طرح رہنا سکھایا، انسانی زندگی کے اصل مقصد سے آگاہی (Awareness) دی اور اُنہیں وہ اصول بتائے جن پر چل کر وہ دنیا میں سکھ، چین اور آخرت میں نجات پا سکتے ہیں۔ یہ ایک عالم گیر حقیقت ہے کہ انسان کے اندر اچھائی کے اچھائی ہونے اور برائی کے برائی ہونے کا احساس فطری طور پر موجود ہے۔ اس لیے دنیا میں کبھی کوئی انسانی معاشرہ اچھائی اور برائی کے تصورات سے خالی نہیں رہا ہے اور کوئی ایسا معاشرہ تاریخ میں کبھی پایا گیا ہے نہ اب پایا جاتا ہے جس کے نظام میں بھلائی اور برائی پر جزا اور سزا کی کوئی نہ کوئی صورت اختیار نہ کی گئی ہو۔ سچائی، انصاف، پاسِ عہد اور امانت کو ہمیشہ سے انسانی اخلاقیات میں تعریف کا مستحق سمجھا گیا ہے۔ ہم دردی، رحم، فیاضی اور فراخ دلی کی ہمیشہ قدر کی گئی ہے۔ صبر و تحمل، اخلاق و بردباری، اولوالعزمی و شجاعت ہمیشہ سے وہ اوصاف رہے ہیں جو داد کے مستحق سمجھے گئے۔ ضبطِ نفس، خودداری، شائستگی اور ملنساری کا شمار ہمیشہ سے خوبیوں ہی میں ہوتا رہا ہے۔ فرض شناسی، وفا شعاری، مستعدی اور احساسِ ذمہ داری کی ہمیشہ عزت کی گئی ہے۔ اسی طرح اجتماعی زندگی کے اچھے اور بُرے اوصاف کے معاملے میں بھی انسانیت کا معاملہ تقریباً متفق علیہ ہی رہا ہے۔ قدر کی مستحق ہمیشہ وہی سوسائٹی رہی ہے جس میں نظم و انضباط ہو، تعاون اور امداد باہمی ہو، آپس کی محبت اور خیر خواہی ہو، اجتماعی انصاف اور معاشرتی مساوات ہو، ایسا ہی معاملہ کردار کی نیکی کا بھی ہے۔ والدین کی خدمت، رشتہ داروں کی مدد، ہمسایوں سے حسنِ سلوک، دوستوں سے رفاقت، یتیموں اور بے کسوں کی خبر گیری، مریضوں کی تیمارداری اور مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت ہمیشہ نیکی سمجھی گئی ہے۔ پاک دامن، خوش گفتار، نرم مزاج اور انسانوں کا بھلا چاہنے والے لوگ ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھے گئے ہیں۔ انسانیت اپنا اچھا عنصر انہی لوگوں کو سمجھتی رہی ہے جو راست باز اور کھرے ہوں۔ جن پر ہر معاملے میں اعتبار کیا جا سکے۔ جن کے معاملات شفاف ہوں، کھلے اور چھپے ہر حال میں ایک جیسے ہوں، اور جن کا عمل ان کے قول سے مطابقت رکھتا ہو۔ جو اپنے حق پر مطمئن ہوں اور دوسروں کا حق کھلے دل سے ادا کریں۔ جو امن سے رہیں اور دوسروں کو امن دیں۔ جن کی ذات سے ہر ایک کو خیر کی امید ہو اور کسی کو برائی کا اندیشہ نہ ہو۔

قرآنی اندازِ دعوت:۔

قرآن مجید کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے انسان کی اسی فطری اخلاقی حس کو بے دار کرتا ہے اور دعوت دینے والے کے لیے بھی یہی طریقہ تجویز کرتا ہے۔ مکہ مکرمہ کے تیرہ سالہ دور میں نازل ہونے والی قرآنی آیاتِ مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے عام انسانوں کو مَعروف اختیار کرنے کی دعوت دی ہے انسانوں کی اچھی صفات اور اعلیٰ اخلاق و کردار کو واضح کیا ہے اور انہیں اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ یہ اَعلیٰ اَخلاق و کردار انسان میں پیدا ہو نہیں سکتے جب تک وہ اپنے خالق، مالک اور پروردگار کو نہ پہچانے اور صرف اُسی کی بندگی کے لیے آمادہ نہ ہو۔ یہ بتایا گیا ہے کہ عقیدہ توحید اور اللہ کے سامنے جواب دہی (عقیدہ آخرت) کا احساس ہی انسانی زندگی کو حُسن و خوبی عطا کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس شرک اور مشرکانہ عقائد انسانی تہذیب، معاشرے اور تمدن کی تباہی کا سبب اور ذریعہ ہیں۔ لوگوں کے سامنے موازنہ کرنے کے لیے محمد ﷺ کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے اور اُن پر ایمان لانے والے لوگوں کی زندگی میں پسندیدہ تبدیلیوں کو روشن نشانیاں قرار دیا ہے کہ دیکھ لو محمد ﷺ کے ساتھ جُڑ جانے والے لوگوں کی زندگی میں کیسی خوشگوار تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ اب اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری زندگی میں امن، چین اور خوشحالی آئے اور اس دنیا کی زندگی کے بعد نہ ختم ہونے والی زندگی میں انعام کے حق دار بنو تو تم محمد ﷺ کی پیروی کرو۔

اور جاہلوں سے نہ اُلجھو:۔

اس دعوت کے کام میں جہاں یہ بات ضروری ہے کہ عام انسانوں کو معروف کی تلقین کی جائے وہاں یہ بات بھی اتنی ہی ضروری ہے کہ جاہلوں سے نہ اُلجھا جائے۔ چاہے وہ اُلجھنے اور اُلجھانے کی کتنی ہی کوشش کریں۔ داعی کو اس معاملے میں سخت محتاط ہونا چاہیے کہ اس کا خطاب صرف ان لوگوں سے رہے جو معقولیت کے ساتھ بات کو سمجھنے کے لیے تیار ہوں۔ اور جب کوئی شخص جہالت پر اُتر آئے اور حجت بازی، جھگڑالو پن، اور طعنے دینا اور گالی دینا شروع کر دے تو داعی کو اس کا مقابلہ کرنے سے انکار کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ اس جھگڑے میں اُلجھنے سے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ نقصان یہ ہے کہ دعوت دینے والے کی قوت اور صلاحیت جس سے وہ عام لوگوں تک بات پہنچانے کا کام لے سکتا تھا اور ان کی اصلاح کر سکتا تھا اس فضول کام میں ضائع ہو جاتی ہے۔

اگر کبھی شیطان تمہیں اُکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو:۔

اس سلسلے میں انتہائی اہم ہدایت یہ ہے کہ جب کبھی داعی حق مخالفین کے ظلم اور ان کی شرارتوں اور ان کے جاہلانہ اعتراضات و الزامات پر اپنی طبیعت میں غصہ اور اشتعال محسوس کرے تو اسے فوراً سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شیطان کی اکساہٹ ہے اور اسی وقت خدا سے پناہ مانگنی چاہیے کہ اپنے بندے کو اس جوش میں بہہ نکلنے سے بچائے۔ اور ایسا بے قابو نہ ہونے دے کہ اُس سے دعوتِ حق کو نقصان پہنچانے والی کوئی حرکت سرزد ہو جائے۔ دعوت حق کا کام بہر حال ٹھنڈے دل سے ہی ہو سکتا ہے اور وہی قدم صحیح اُٹھ سکتا ہے جو جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں بلکہ موقع و محل کو دیکھ کر، خوب سوچ سمجھ کر اُٹھایا جائے۔ لیکن شیطان جو اس کام کو فروغ پاتے ہوئے کبھی نہیں دیکھ سکتا، ہمیشہ اسی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اپنے بھائی بندوں سے داعی حق پر طرح طرح کے حملے کرائے اور پھر ہر حملے پر داعی حق کو اکسائے کہ اس حملے کا جواب تو ضرور ہونا چاہیے۔ یہ اپیل جو وہ داعی کے نفس سے کرتا ہے، اکثر بڑی بڑی پر فریب تاویلوں اور مذہبی اصطلاحوں کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے لیکن اس کی تہہ میں سوائے نفسانیت کے اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اسی لیے ارشاد ہوا کہ جو لوگ متقی (یعنی خدا ترس اور بدی سے بچنے کے خواہش مند) ہیں وہ تو اپنے نفس میں کسی شیطانی تحریک کا اثر اور کسی بُرے خیال کی کھٹک محسوس کرتے ہی فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آ جاتا ہے کہ اس موقع پر دعوتِ دین کا مفاد کس طرزِ عمل کے اختیار کرنے میں ہے اور حق پرستی کا تقاضا کیا ہے۔ رہے وہ لوگ جن کے کام میں نفسانیت کی لاگ لگی ہوئی ہے اور اس وجہ سے جن کا شیاطین کے ساتھ بھائی چارے کا تعلق ہے، تو وہ شیطانی تحریک کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے اور اس سے مغلوب ہو کر غلط راہ پر چل نکلتے ہیں۔ پھر جس جس وادی میں شیطان چاہتا ہے انہیں لیے پھرتا ہے اور کہیں جا کر ان کے قدم نہیں رُکتے۔ مخالف کی ہر گالی کے جواب میں ان کے پاس گالی اور ہر چال کے جواب میں اس سے بڑھ کر چال موجود ہوتی ہے۔

اس ارشاد کا سادہ اور عام مفہوم یہ بھی ہے کہ اہلِ تقویٰ کا طریقہ عام طور پر اپنی زندگی میں غیر متقی لوگوں سے مختلف ہوتا ہے۔ جو لوگ حقیقت میں خدا سے ڈرنے والے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ برائی سے بچیں۔ اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ بُرے خیال کا ایک ذرا سا غبار بھی اگر ان کے دل کو چھو جاتا ہے تو انہیں ویسی ہی کھٹک محسوس ہونے لگتی ہے جیسی کھٹک اُنگلی میں پھانس چُبھ جانے یا آنکھ میں کسی ذرے کے پڑ جانے سے محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ بُرے خیالات، بُری خواہشات اور بُری نیتوں کے عادی نہیں ہوتے اور یہ چیزیں ان کے مزاج کے خلاف ہوتی ہیں۔ پھر جب یہ کھٹک انہیں محسوس ہو جاتی ہے تو اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور ان کا ضمیر بے دار ہو کر برائی کی اس دھول کو اپنے اوپر سے جھاڑ دینے میں لگ جاتا ہے۔ جب کہ جو لوگ نہ اللہ سے ڈرتے ہیں، نہ برائی سے بچنا چاہتے ہیں۔ شیطان ان کے قریب آ جاتا ہے، ان کے نفس میں بُرے خیالات، بُرے ارادے، بُرے مقاصد پکتے رہتے ہیں اور وہ ان گندی چیزوں سے کوئی اجنبیت اپنے اندر محسوس نہیں کرتے، بالکل اسی طرح جیسے کسی دیگچی میں سور کا گوشت پک رہا ہو اور وہ بے خبر ہو کہ اس کے اندر کیا پک رہا ہے۔

اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کا صحیح فہم بخشے، اور اُس فہم کے مطابق دین کے سارے تقاضے، اور مطالبے پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

قرآن مجید کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے انسان کی اسی فطری اخلاقی حس کو بے دار کرتا ہے اور دعوت دینے والے کے لیے بھی یہی طریقہ تجویز کرتا ہے۔ مکہ مکرمہ کے تیرہ سالہ دور میں نازل ہونے والی قرآنی آیاتِ مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے عام انسانوں کو مَعروف اختیار کرنے کی دعوت دی ہے انسانوں کی اچھی صفات اور اعلیٰ اخلاق و کردار کو واضح کیا ہے اور انہیں اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ یہ اَعلیٰ اَخلاق و کردار انسان میں پیدا ہو نہیں سکتے جب تک وہ اپنے خالق، مالک اور پروردگار کو نہ پہچانے اور صرف اُسی کی بندگی کے لیے آمادہ نہ ہو۔ یہ بتایا گیا ہے کہ عقیدہ توحید اور اللہ کے سامنے جواب دہی (عقیدہ آخرت) کا احساس ہی انسانی زندگی کو حُسن و خوبی عطا کر سکتا ہے

نجیب ایوبی
najeeb.aei@gmail.com
jasaratsundaymag@gmail.com

کراچی والو! اپنے لیے ماتم کرو!

کراچی پر ایک عذاب ہے جو مسلسل تین دہایوں سے مسلط ہے۔ اس عذاب کو دعوت دینے والے بھی کراچی والے ہیں اور بھگتنے والے بھی کراچی والے ہی ہیں۔

یہ عذاب مسلسل، ایک آکاس بیل اور بھوکے گدھ کی مانند گزشتہ تیس سالوں سے کراچی کے شہریوں کو اپنے منحوس پنجے میں جکڑے ہوئے ہے کراچی والوں یہ عذاب تم نے اپنی خوشی سے خریدا ہے اس کا ماتم بھی ہنسی خوشی کرنا ہوگا۔ اگر اس کا حوصلہ نہیں تو پھر اس ظالمانہ نظام کے خلاف اٹھ کر اپنا حق واپس چھیننا ہوگا ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمارے اوپر ماتم کرنے والے بھی نہ رہیں!

اس کراچی نے بہت دکھ جھیلے، بہت لاشے اٹھائے اپنے کردہ اور ناکردہ گناہوں کی پاداش میں بطور کفارہ جید علمائے کرام کی شہادتیں ٹھنڈے پیٹوں برداشت کیں، صاحبان علم وفضل کراچی کی شاہراہوں پر قتل ہو کر ماضی بنتے چلے گئے، شہید حکیم سعید، حکیم محمود احمد برکاتی شہید ہوئے۔ فرقہ واریت کے ناسور میں مبتلا قوم نے ہر فرقے کے شہیدوں جوانوں اور بچوں کو ایدھی کی میت گاڑیوں میں قبرستانوں میں منتقل ہوتے دیکھا، ایک ایک کرکے ڈاکٹر، انجینیرز، طالب علم، پروفیسر سب کے سب اس لسانیت وفرقہ واریت کی آگ کی لپیٹ میں آتے چلے گئے۔

مدیر تکبیر مولانا صلاح الدین کے قتل سے شروع ہونے والا یہ عذاب کسی نہ کسی صورت آج تک جاری ہے۔ جناب صلاح الدین نے مسلم قومیت اور نظریہ پاکستان کے تحفظ کی جنگ بڑی پامردی سے لڑی۔ اس دوران ان کے گھر اور ان کے دفتر کو نذر آتش بھی کیا گیا اور ان پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا مگر وہ لسانی سیاست اور دہشت گردی کے مستقل مذمت کرتے رہے۔ انہیں آزادی صحافت کے لیے قربانیاں دینے کے سلسلہ میں کئی بین الاقوامی اعزازات سے بھی نوازا گیا تھا۔ حکومت پاکستان نے بھی 14 اگست 1997ء کو انہیں ہلال امتیاز کے اعزاز سے سرفراز کیا تھا۔

4 دسمبر 1994ء کی شام نامعلوم دہشت گردوں نے اندھا دھند فائرنگ کرکے پاکستان کے یہ بے باک اور معروف صحافی جناب محمد صلاح الدین کو شہید کردیے گئے۔

مفتی نظام الدین شامزئی پاکستان کے نامور علمائے دیوبند میں سے ہیں جنہیں 30 مئی 2004ء کو پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں فائرنگ کرکے قتل کردیا گیا۔

متحدہ قومی موومنٹ کے کارکنان کو اس سلسلے میں گرفتار بھی کیا گیا اور اس سلسلے میں سابق گورنر سندھ عشرت العباد کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے مگر عشرت العباد کے گورنر سندھ بن جانے کے بعد یہ کیس دبا دیا گیا ہے۔ تاہم پہلے سندھ ہائی کورٹ اور اس کے بعد سپریم کورٹ نے بھی ایم کیو ایم کے تین کارکنوں کو جو اس کیس میں نامزد تھے، بری کیا۔

یہ سلسلہ مزید آگے بڑھا اور نامعلوم مسلح افراد نے صدارتی انعام یافتہ نامور حکیم محمود احمد برکاتی کو ان کی مطب میں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ ستاسی سالہ مقتول حکیم برکاتی چالیس کتابوں کے مصنف تھے اور انہیں 2001ء میں صدارتی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا تھا۔

کراچی جو کبھی روشنیوں، محبتوں اور علم دوستوں کا شہر تھا، غریب پرور شہر جب آسیب کے چنگل میں پھنستا چلا گیا۔ پھر اس کی پہچان چھن گئی۔ اس کا نام ماضی بن گیا اس کی تاریخ اپنا چہرہ نوچ کر خونی درندے کا روپ دھارتی چلی گئی۔ اور ان تین دہایوں میں کراچی کا نام آتے ہی جبر وتشدد اور قتل وغارت سے بھرپور شب وروز، ٹارچر سیل، بوری بند لاشیں اور ہیبت ودہشت سے لبریز واقعات ذہن میں تازہ ہوجاتے ہیں۔

کراچی کے شہریوں کو یاد ہوگا کہ سانحہ 12 مئی 2007ء کو سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے استقبال کے لیے آنے والے سیاسی وسول سوسائٹی سے تعلق رکھنے والے افراد پر فائرنگ کی گئی، صحافیوں کے دفاتر پر حملے کیے گئے۔ جلاؤ گھیراؤ، اقدام قتل اور کار استہ روکنے کے جرم میں نامزد 16 دیگر ملزمان کو عدالت اشتہاری قرار دے چکی، اور اس حوالے سے میئر کراچی وسیم اختر سمیت دیگر ملزمان پر سانحہ 12 مئی کے سات مختلف مقدمات درج ہیں۔ بارہ مئی 2007ء کو اس وقت کے معزول چیف جسٹس افتخار چوہدری کو کراچی کا دورہ اور وکلا سے سندھ ہائی کورٹ میں خطاب کرنا تھا لیکن انہیں روکنے کے لیے شہر میں کی جانے والی ہنگامہ آرائی میں 50 سے زائد افراد کی جانیں چلی گئی تھیں۔ (واضح رہے کہ وسیم اختر سانحے کے وقت اس وقت کے وزیر اعلیٰ سندھ ارباب غلام رحیم کے مشیر برائے امور داخلہ کے طور پر کام کررہے تھے۔)

پیپلز پارٹی، عوامی نیشنل پارٹی، جماعت اسلامی اور دیگر جماعتوں نے چیف جسٹس کے استقبال کے لیے ایئرپورٹ سے ریلی نکالنے کا اعلان کیا تھا، جب کہ اس وقت کے صدر جنرل پرویز مشرف کی اتحادی جماعت متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) نے اس ریلی کی مخالفت میں ایم اے جناح روڈ پر جلسہ کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اس قتل وغارت گری کے بعد رات کو صدر مملکت پرویز مشرف نے اسلام آباد میں مکہ لہرا کر کراچی والوں کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ "کراچی میں ہم نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرکے دکھادیا ہے۔"

اس کراچی پر یہ عذاب کیا کم تھے کہ اسے کراچی میں ہی اتوار کی صبح 30 مئی کو ممتاز عالم دین مولانا مفتی نظام الدین شامزئی کی شہادت کی صورت رونما ہوا۔

سانحہ 12 مئی سے متعلق مقدمات تقریباً دس سال تک سیاسی مصلحت کا شکار ہوکر سرد خانے میں پڑے رہے۔ گزشتہ سال ان مقدمات میں نامزد ملزمان کو گرفتار کیا گیا تھا جس کے بعد کمزور شواہد کی بنیاد پر 19 ملزمان کو ضمانت پر رہائی مل گئی۔ لیکن ان پر مقدمہ اب بھی عدالت میں زیر سماعت ہے۔ وسیم اختر نے صحت جرم سے انکار کردیا ہے، امکان اس بات کا ہے کہ وفاقی وزیر برائے قانون وانصاف بیرسٹر فروغ نسیم کی مہربانی سے سانحہ بارہ مئی کے ملزمان بھی سانحہ بلدیہ کے مجرمان کی طرح ناکافی ثبوت کی بناء پر آسانی سے باہر آجائیں گے۔

12 بارہ مئی کو قومی اور صوبائی اسمبلی کے ضمنی انتخابات کے موقع پر فائرنگ اور تشدد آمیز واقعات میں 17 افراد ہلاک ہوئے۔ اور جو نمازی شہدا کا جنازہ پڑھنے مزار قائد پہنچے ان پر بھی فائرنگ کی گئی اور اندھا دھند فائرنگ سے بچنے کے لیے لوگوں نے سڑک پر لیٹ کر جان بچائی جبکہ جماعت اسلامی کے امیر محترم قاضی حسین احمد کے گرد کارکنوں نے گھیرا ڈال کر انہیں بمشکل بچایا۔

گیارہ ستمبر 2012 کو بلدیہ ٹاؤن کی فیکٹری علی انٹر پرائیز میں لگنے والی آگ اور بھتہ مافیا کی خونی کہانی 259 مزدوروں کے خون سے لکھی گئی۔ اس جرم میں ملوث دو اقراری مجرمان کو فروغ نسیم وزیر قانون کی ایڈوائز پر حال ہی میں رہا کردیا گیا۔ اصل کردار بابر غوری اور دیگر متحدہ قومی موومنٹ کے رہنما ابھی تک آزاد گھوم رہے ہیں۔

عالمی وسیاسی مفادات تبدیل ہونے سے اس دہشت گردی میں تو خاطر خواہ کمی ہوگئی لیکن کراچی کا وہ سابقہ امن وامان اور تجارتی حیثیت دوبارہ بحال نہ ہوسکی۔ اس دہشت گردی نے قوم سے لاتعداد نابغہ روزگار فرزندوں کا خراج لیا۔ دہشت گردی کی بھینٹ چڑھنے والی شخصیات میں مولانا یوسف لدھیانوی، زبیر اکرم ندیم، منور سہروردی، اسلم مجاہد، مزدور رہنما پاشا گل، ڈاکٹر پرویز محمود، عظیم طارق، خالد ولید، سلیم قادری، ظہور الحسن بھوپالی، عبداللہ شاہ اور جسٹس نظام احمد سے لے کر میر مرتضیٰ بھٹو، مدیر تکبیر جناب صلاح الدین اور حکیم محمد سعید جیسی قد آور شخصیات شامل ہیں۔

کراچی اب بھی آزاد نہیں ہے۔ اس کی تقدیر کے فیصلے کسی اور کے ہاتھوں میں ہیں۔ تیس سال پاکستان پیپلز پارٹی اور متحدہ کراچی پر مشترکہ حکمران رہے ہیں، ایک کی بلدیہ عظمیٰ پر اجارہ داری تھی تو دوسرے حلیف کی سندھ پر۔ یک جان دو قلب والی بات تھی۔ "تم دن کو اگر رات کہو، رات کہیں گے"۔ جیسا معاملہ تھا مگر کراچی پھر بھی عبرت سرا بنا رہا۔ پھر منصوبہ سازوں نے نئی تدبیر سوچی اور راہنماؤں کو تو بحریہ پروجیکٹ حیدر آباد کے لیے ملک ریاض صاحب نے دبئی میں اعلیٰ ترین ملازمت سے نواز رکھا تھا۔ اسی طرح عامر خان ایک نظریاتی گروپ کو لیڈ کررہے تھے اور فاروق ستار صاحب خاص الطاف گروپ کی نمائندگی کرتے رہے۔

ان تینوں دھڑوں کو ڈیلی کی بنیاد پر اسائنمنٹ دیے گئے تاکہ بلدیاتی انتخابات سے پہلے پہلے اپنی کارکردگی دکھائیں اور کراچی کی سیاست میں اپنا اپنا حصہ پائیں۔

کراچی پر حالیہ عذاب کچرے، گندگی اور ابلتے ہوئے گٹروں کی صورت میں ہے۔ قوم بنی اسرائیل کی طرح کراچی پر بھی ہر دور میں عذاب کی ایک نئی شکل نازل ہورہی ہے۔ سابق کچرا فیم وزیر اعلیٰ قائم علی شاہ کے بعد یہ عزت و شہرت میئر کراچی وسیم اختر کے حصے میں آئی۔

متحدہ کے وسیم اختر یہ ملبہ سندھ حکومت پر ڈال رہے ہیں، سندھ حکومت بلدیہ کراچی پر۔ مگر مسئلہ جوں کا توں ویسے کا ویسا ہی ہے رہا۔

ایک ماہ بعد منظر نامے میں کراچی سے تعلق رکھنے والے وفاقی وزیر جناب "علی زیدی 'المعروف "سڑک تمہارے باپ کی ہے" کی انٹری ہوئی اور انہوں نے کراچی والوں سے چندے کی اپیل کرتے ہوئے کراچی کی صفائی کا ٹھیکہ ایف ڈبلیو او کے سپرد کیا۔ جس نے پندرہ دن خوب ڈمپر لوڈر چلائے، ادھر کا کچرا ادھر، ادھر کا ادھر کی مانند بارہ کروڑ روپے صاف کیے۔

جب یہ ڈرامہ فیل ہوا تب منظر نامے میں نیا موڑ آیا اور فروغ نسیم کو سامنے لایا گیا، جو متحدہ اور تحریک انصاف کے چھ چھ ممبران پر مشتمل ٹیم سے کچرا سیاست میں نئی انداز کو متعارف کروائیں گے۔

کراچی میں عمران خان نے بطور وزیر اعظم اپنا الو سیدھا کرنے کی ابتدا کی اور کراچی کو اپنے کنٹرول میں کرنے کے لیے تازہ ترین واردت ڈالی، وہ یہ کہ کراچی کی بہتری کے لیے ایک بارہ رکنی کمیٹی وزیر قانون فروغ نسیم کی سربراہی میں قائم کی جو کراچی کے مسائل کو دیکھے گی۔

ہمارے بہت اچھے دوست جناب شکیل خان موجودہ صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ 'بساط بچھ گئی ہے، مہرے سجا دیے گئے ہیں پہلے پیادوں کو لایا گیا تھا اب فرزین کو بڑھایا گیا ہے. بادشاہ ہمیشہ کی طرح پردہ کے پیچھے ہے۔

مصطفیٰ کمال، وسیم اختر، علی زیدی کی "فلاپ اینٹری" نے بادشاہ سلامت کو کچھ مایوس کردیا ہے. تبدیلی سرکار تو کراچی کو "گھنٹا" بھی نہیں دے سکی اور نہ دے سکے گی۔ اس لیے کہ بادشاہ سلامت کبھی کراچی کو اس کا حق دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے، ان کے منہ چڑھے حاضر باش وظیفہ خوار جو صرف شامل باجہ ہیں وہ راگ درباری میں بادشاہ سلامت کے ہر فعل کو الہامی ثابت کرنے کی قوالی گائے جاتے ہیں، کہ جناب عالی یہ کراچی والے تو ہیں ہی ناشکرے، کچرے، غلاظت اور تعفن میں رہنا ہی نہیں سیکھتے۔ ہم تیس سال سے انکو بتا رہے ہیں کہ یہ پاکستان کے سوتیلے بیٹے ہیں۔ لیکن یہ چربا کہتے ہیں کہ ہم نے پاکستان بنایا ہے، ہم اس پاکستان کی سگی اولاد ہیں اور ہم ہی اس کے اصل وارث ہیں، ان کی محبت پاکستان سے کم ہی نہیں ہوتی۔

تیس سال سے نامعلوم افراد نے کراچی والوں کو عذاب میں مبتلا کیا ہوا ہے اس کے باوجود یہ زندہ ہیں بات کررہے ہیں آواز اٹھا رہے ہیں، اپنا حق مانگ رہے ہیں۔

پردے کے پیچھے رہنے والے کراچی کو صرف کچرا دیتے ہیں۔ تیس سال سے بادشاہ سلامت نے کراچی کو صرف کچرا دیا ہے۔ اور یاد رہے بادشاہ سلامت سے مراد کوئی کٹھ پتلی "ہینڈسم" نہیں ہے۔

سندھ حکومت کے گرد گھیرا تنگ کردیا گیا ہے، بائیکاٹ کیا جارہا ہے۔ وظیفہ یاب پیادے، تنخواہ دار ڈھونچی، 'روٹی توڑ نقار چی نقارہ بجا رہے ہیں، ہر طرف ہاہا کار مچی ہے۔ کراچی والوں کو نیا منجن بیچا جارہا ہے۔

●●

کراچی کی باگ ڈور نو آموز سیاسی

جماعت تحریک انصاف کے ہاتھوں میں دینے کا فیصلہ کیا اور الطاف حسین کے بے قابو جن کو بوتل میں واپس بند کرنے کا معاملہ کیا۔ جن بوتل میں جاتے جاتے اپنے چیلے باہر ہی رکھ کر گیا تھا۔ جن میں مصطفیٰ کمال، وسیم اختر، عامر خان، فاروق ستار سب شامل تھے۔ حصے بخرے کرنے کے بعد تین دھڑے بنائے گئے۔ ہر دھڑے میں ایک ماضی کا بھاری بھرکم ڈان کوفٹ کیا گیا۔ ویسے ہی جگاڑ جسے پرانی 'ہارلے ڈیوڈسن' میں CD-70 کا انجن لگا کر کام چلایا جاتا ہے۔

ایک دھڑے کی قیادت مصطفیٰ کمال کو سونپی گئی اور قائم خانی کوفٹ کیا تاکہ اندرون سندھ بھی کام نکلا جاسکے۔ ورنہ الطاف سے بغاوت کے بعد دونوں باغی

زاہد عباس
daimzahid149@gmail.com
jasaratsundaymag@gmail.com

میرا اسکول بند ہوگیا

گورنمنٹ اپوا بوائز سیکنڈری اسکول کے ایریا کورنگی میں کیسے بھول سکتا ہوں! تجربہ کار، تعلیم دوست اساتذہ کرام اور نظم وضبط کی اعلیٰ مثال اسکول ہیڈ ماسٹر شیخ شمیم احمد خان کی جانب سے دی جانے والی شفقت ومحبت میری زندگی میں اہم مقام رکھتی ہے۔ اپوا اسکول کورنگی کا شمار کراچی کی اُن درس گاہوں میں ہوتا تھا جہاں بچوں میں چھپی خداداد صلاحیتوں کو اجاگر کرنے پر خصوصی توجہ دی جاتی۔ یہ اساتذہ کی محنت اور ذاتی دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ ہم نصابی سرگرمیاں ہوں یا غیر نصابی..... ہر میدان میں ہمیشہ اپوا اسکول نے ہی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑے اور وطنِ عزیز کو نہ صرف نامور ڈاکٹر، انجینئر، وکلا، ماہرینِ تعلیم اور معروف شاعر و ادیب دیے، بلکہ شوبز کی دنیا کو بھی کئی چمکتے ستاروں سے نوازا۔ کسی بھی درس گاہ میں طلبہ وطالبات کی صلاحیتوں کو ابھارنا اچھا اقدام ہے، لیکن تعلیم حاصل کرتے بچوں میں چھپی فنکارانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنا خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ خوش قسمتی سے یہ اعزاز گورنمنٹ اپوا سیکنڈری اسکول کورنگی کو حاصل رہا، جس نے طلبہ کو مختلف پروگرامات کے ذریعے ایک کامیاب زندگی گزارنے کی تربیت دی جس کی کوئی مثال نہیں ملتی، مثلاً 1980ء کی دہائی میں ہفتۂ طلبہ کے تحت ہونے والے سالانہ پروگرامات میں کھیلوں کے ساتھ ساتھ فنکارانہ صلاحیتوں کے حامل طلبہ کو بھی اپنے جوہر دکھانے کے مواقع فراہم کیے جاتے، اور بہترین کارکردگی دکھانے والے طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے انہیں انعامات دیے جاتے تھے۔ ہفتۂ طلبہ کے دوران ایک دن ایسا بھی آتا جب نویں اور دسویں جماعت کے طلبہ اساتذہ اور اسکول اسٹاف کا کردار ادا کرتے، یعنی نہم ودہم جماعت میں زیرِ تعلیم طلبہ چھٹی، ساتویں اور آٹھویں جماعت کے بچوں کو پڑھاتے۔ اسی طرح کوئی مالی کا کردار ادا کرتا تو کوئی خاکروب کا..... کسی کو چوکیدار بنایا جاتا تو کوئی گھنٹہ بجانے کی ذمہ داری ادا کرتا۔ مجھے یاد ہے میرے ہم جماعت دوست ناصر نے اُس وقت خاکروب کا کردار ادا کیا تھا۔ صبح آٹھ بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک میٹرک کلاس کے اس طالب علم نے اسکول کے کئی برآمدوں کی صفائی کر ڈالی۔ جیسے کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اچھی کارکردگی دکھانے والے طلبہ کو انعامات بھی دیے جاتے تھے، اس لیے ناصر کو اُس کی بہترین کارکردگی کی بنیاد پر نہ صرف میڈل ملا بلکہ ہیڈ ماسٹر شمیم احمد خان کی جانب سے خصوصی طور پر پانچ سو روپے کیش بھی دیے گئے۔ اُس زمانے میں یہ رقم چونکہ بہت زیادہ ہوا کرتی تھی، اور پھر آج کے مقابلے میں بچوں میں پیسے کا لالچ بھی نہ تھا، اس لیے ناصر نے وہ رقم اسکول کی شجرکاری مہم میں لگادی۔ اس کی جانب سے لگائے جانے والے پودے چند ہفتوں میں ہی بڑے ہوتے دکھائی دینے لگے۔ اس کے اِس اقدام کا اسکول کے دوسرے بچوں پر خاصا اثر ہوا، یوں دیکھتے ہی دیکھتے تمام بچوں نے پودے لگانے کی ایک باقاعدہ مہم شروع کردی، اور تھوڑے ہی عرصے میں اسکول سرسبز وشاداب دکھائی دینے لگا۔ اُس زمانے کے اساتذہ طلبہ کا تعلیمی مستقبل سنوارنے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ وہ اپنی ساری توانائیاں مستقبل کے معماروں کی تعلیم وتربیت پر صرف کرتے۔ اسمبلی لگنے سے قبل تمام اساتذہ اسکول میں موجود ہوتے اور چھٹی کے بعد بھی خاصی دیر تک پڑھائی جاری رکھتے۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اسکول ہیڈ ماسٹر شیخ شمیم احمد خان ٹرانسپورٹ کی کمی کے باوجود کبھی دو اور کبھی تین بسیں تبدیل کرکے سعید آباد شیر شاہ سے صبح پونے سات بجے اپوا اسکول کورنگی پہنچ جایا کرتے تھے۔ چھٹی کرنا تو دور کی بات، میں نے کبھی انہیں دیر سے بھی آتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اسمبلی کے وقت تمام بچوں کا اسکول میں حاضر ہونا لازمی ہوتا۔ وقت پر اسکول نہ پہنچنے کی صورت میں اُس زمانے کی مشہور سزائیں ملا کرتیں۔ ان میں الٹے ہاتھ پر کھڑے اسکیل سے مارنا، دو انگلیوں کے درمیان پینسل رکھ کر ہاتھ کو زور سے دبانا، کلاس کے سامنے ہاتھ اوپر کرکے کھڑا ہونا، منہ پر تھپڑ کھانا اور مرغا بننا۔ چونکہ ان سزاؤں سے میری جان جاتی تھی، خاص طور پر ہاتھ اوپر کرکے کھڑے ہونے اور مرغا بننے کی سزا سے، جو شروع کے چند منٹ تو برداشت ہوجاتی، لیکن زیادہ دیر کھڑے رہنے سے دن میں تارے نظر آجاتے تھے، اس لیے میں اسمبلی لگنے سے قبل ہی اسکول پہنچ جاتا تھا۔

وقت گزر جاتا ہے اور یادیں باقی رہ جاتی ہیں۔ اپوا اسکول کورنگی کے بارے میں اتنا کچھ لکھنے کا مقصد زمانۂ طالب علمی کو یاد کرنے کے ساتھ ساتھ فی زمانہ اسکول کی حالتِ زار پر لب کشائی کرنا ہے۔ بتانا یہ بھی ہے کہ کل تک بہترین عمارت اور اچھی تعلیم کی وجہ سے شہر بھر میں اپنی الگ شناخت رکھنے والا اپوا اسکول آج کھنڈرات میں تبدیل ہوکر رہ گیا ہے، جہاں نہ مالی ہے، نہ کوئی مستقل چوکیدار..... پینے کا صاف پانی ہے اور نہ ہی سیوریج سسٹم..... گراؤنڈ اتنے میدان کے ساتھ تعمیر کی جانے والی عمارت میں قائم خالی کلاسیں کسی بھوت بنگلے کا منظر پیش کرتی ہیں۔ حالیہ بارشوں کے باعث اسکول کی دیوار کا ایک بڑا حصہ گر چکا ہے۔ مفت تعلیم دینے کے دعوے داروں کی عدم توجہی کے باعث اسکول کے در و دیوار کسی آسیب کی زد میں نظر آتے ہیں۔ اسکول میں جاری تعلیمی سرگرمیوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کل تک جس درس گاہ کے طلبہ کراچی میٹرک بورڈ کے تحت ہونے والے امتحانات میں اعلیٰ پوزیشنیں حاصل کیا کرتے تھے آج اس کا سیکنڈری کیمپس تقریباً ختم کردیا گیا ہے۔ جس کے احاطے میں کبھی پاک سرزمین شاد باد کی صدائیں گونجا کرتی تھیں آج وہاں کی فضاؤں میں خاموشی طاری ہے۔ آج آل پاکستان وومن ایسوسی ایشن (اپوا) کی خالق رعنا لیاقت علی خان کی روح بھی تڑپ رہی ہوگی۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک طرف تو سندھ حکومت مفت تعلیم دینے کے دعوے کرتی ہے جبکہ دوسری طرف کراچی جیسے شہر میں جہاں پہلے ہی تعلیمی اداروں کی اشد ضرورت ہے، داخلے نہ ہونے کے باعث بند ہوتے اسکولوں پر خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔

حکومتی بے حسی پر اُس روز میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ میں ماضی کی یادوں کو تازہ کرنے اسکول جا پہنچا، وہاں پہنچتے ہی اسکول سے جڑی تمام یادیں میری نگاہوں کے سامنے تھیں۔ میں انہی سوچوں میں گم کبھی دائیں طرف جاتا تو کبھی بائیں جانب چکر لگانے لگتا۔ میری بے چینی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ میں ابھی اسی کشمکش میں مبتلا تھا کہ ایک نوجوان نے میرے قریب آتے ہوئے کہا

''انکل کیا مسئلہ ہے، آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں!''

اس کے پوچھنے پر ایک لمبی آہ بھرتے ہوئے میں نے اسکول سے جڑی ماضی کی تمام یادیں اور اپنے دل کی ساری کیفیت اُس کے سامنے رکھ دی۔ میری باتیں سن کر وہ بولا:

''انکل آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، ہمارے بڑوں نے بھی اسی اسکول سے تعلیم حاصل کی ہے، سنا ہے کسی زمانے میں علاقے کا یہ سرکاری اسکول بہت اچھا ہوا کرتا تھا، تاہم توجہ نہ دینے کے باعث اب یہ اسکول زبوں حالی کا شکار ہے، یہ اسکول نہ صرف رکشہ اسٹینڈ میں تبدیل ہوتا جارہا ہے بلکہ جانوروں کی چراگاہ بھی بنا ہوا ہے۔ کلاسوں میں نہ فرنیچر ہے، نہ پنکھے۔ کھڑکیاں، دروازے غائب ہیں، دیواریں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں، جبکہ بیت الخلا تک موجود نہیں۔ انہی وجوہات کی بنا پر لوگوں کو مجبوراً پرائیویٹ اسکولوں کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ یہی وہ حالات ہیں جن کے باعث لوکل نجی اسکولوں کو بھاری فیسیں دینے پر مجبور ہیں۔''

اسکول کے احاطے میں تعمیر ہونے والی عمارت کے بارے میں اس نے بتایا:

''یہ جو نئی بلڈنگ تعمیر کی جارہی ہے، پہلے دن سے ہی اس کی تعمیر کا کام خاصی سست روی کا شکار رہا، جبکہ اسے کئی سال قبل مکمل ہوجانا چاہیے تھا۔ لگتا ہے عمارت تیار ہونے سے قبل ہی تباہ ہونے کو ہے۔ اسکول میں ایک نیا بلاک تو تیار کردیا گیا ہے، لیکن وہ عمارت بھی بچوں کے داخلے نہ ہونے کے باعث خالی پڑی رہتی ہے۔ ماضی کے مقابلے میں یہ اسکول اب بنیادی سہولتوں سے محروم ہوچکا ہے۔ مرکزی دروازہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے جس کے سبب اسکول نشہ کرنے والوں کی آماج گاہ بنا ہوا ہے، چاروں طرف کچرے کے ڈھیر لگے ہیں۔ کچھ لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت سیوریج کے پانی کی لائن ڈالی تھی، وہ بھی ناکارہ ہوچکی ہے۔ پانی کا نکاس نہ ہونے سے اسکول کا میدان کسی گندے تالاب کا منظر پیش کرتا ہے جس سے بیماریاں جنم لیتی ہیں، پینے کے صاف پانی کی تو بات ہی چھوڑیے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں، ہر کوئی اپنے چکروں میں پڑا ہوا ہے۔''

اس نوجوان کی باتوں نے مجھے مزید افسردہ کردیا۔ میرے اعصاب جواب دیتے جارہے تھے۔ میں ابھی چند قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ اسکول کے سامنے والی گلی میں رہنے والے ایک اور شخص احمد نواز نے جو کہ خود بھی شعبہ تعلیم سے وابستہ رہ چکے ہیں، اپوا اسکول کی بدترین صورت حال پر بات شروع کردی:

''علاقے کے لوگ اپنے بچوں کو سرکاری اسکولوں میں پڑھانا چاہتے ہیں، لیکن جب کسی اسکول کی حالتِ زار ایسی ہو تو لوگ کیسے اپنے بچوں کو سرکاری اسکول بھیج سکتے ہیں! سرکاری اسکولوں میں ماند پڑتی تعلیمی سرگرمیوں اور تباہ ہوتی عمارتوں کو بچانے کے لیے چاہیے تو یہ تھا کہ حکومت تعلیمی پالیسیاں مرتب کرتے ہوئے تجربہ کار اور صوبائی سطح پر متحرک ماہرین سے صلاح مشورہ کرتی اور تعلیم دوست منصوبوں پر کام کرتی، لیکن سندھ حکومت نے تو ایسے تمام ماہرینِ تعلیم کو نظرانداز کرکے اپنے من پسند نااہل افراد کو ذمہ داریاں سونپ دیں، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی جانب سے کیے جانے والے تمام اقدامات بری طرح ناکام ہوگئے، جبکہ بجٹ کا بہت بڑا حصہ بھی کرپشن کی نذر ہوگیا۔ ظاہر ہے کوئی ڈاکٹر گاڑی کا انجن ٹھیک کرسکتا ہے اور نہ ہی کوئی مکینک کسی بیمار شخص کا علاج کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کامیاب نتائج کے حصول کے لیے درست سمت کا تعین ضروری ہوتا ہے۔ جب سمت درست نہ ہو تو اس قسم کے نتائج ہی برآمد ہوا کرتے ہیں جس کی ایک جھلک اس اسکول میں دیکھی جاسکتی ہے۔ سب مال کمارہے ہیں، ان کی اپنی اولادیں یورپ اور امریکہ جاکر ڈگریاں حاصل کرتی ہیں، غریب کو صرف تسلیاں دی جاتی اور سبز باغ دکھائے جاتے ہیں۔ عوام کو صحت وتعلیم جیسی بنیادی سہولتوں سے بھی محروم کردیا گیا ہے۔''

ایک طرف اصل حقائق یعنی تباہ حال انفرااسٹرکچر اور بند ہوتے اسکول ہیں، تو دوسری جانب وزیرِ تعلیم پڑھا لکھا سندھ بنانے کے دعوے کرتے سنائی دیتے ہیں۔ میں اس پر صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اپوا اسکول کورنگی سیکنڈری کیمپس کی صورت حال میرے لیے کسی صدمے سے کم نہیں، اور اس کے سوا میں کر بھی کیا سکتا ہوں سوائے حکمرانوں سے دردمندانہ اپیل کرنے کے۔ اگر حکومتِ سندھ واقعی شرحِ خواندگی میں اضافے کے لیے سنجیدہ ہے تو خدارا تمام بند ہونے والے اسکولوں میں فوری طور پر نصابی سرگرمیاں شروع کروانے کے لیے اقدامات کرے، اور مفت تعلیم کا نعرہ لگانے کے بجائے سیاسی اثرات سے پاک خالصتاً اہلیت کی بنیاد پر اساتذہ کی تقرریاں کرنے کے ساتھ ساتھ اسکولوں کی خستہ حالی کی طرف بھی توجہ دے، کیونکہ اہل اساتذہ کی تعیناتی، بہتر انفرااسٹرکچر اور حکمرانوں کی ذاتی توجہ سے ہی پست ہوتے تعلیمی معیار کو بحال اور صوبے میں تعلیم کی شرح میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

سلیم اللہ صدیقی
mrsalman.ali2006@gmail.com
jasaratsundaymag@gmail.com

دو ہفتے قبل 'یوٹیوب سے کشمیریوں کی مدد' والے مضمون میں ذکر کیا تھا کہ یوٹیوب پر ٹاپ ٹرینڈ میں شامل بھارتی مواد (بھارتی گانے، پرمومو دیگر) بار بار شرمندگی کا احساس دلاتے ہیں۔ اتنا شور مچا ہوا ہے، چاہے جیسا بھی ہے حکومت، میڈیا مستقل کشمیر میں جاری بھارتی مظالم کے خلاف آگہی تو پھیلا رہے ہیں۔ اس کے باوجود ہم جانے انجانے میں بھارتی مواد کو یوٹیوب پر دیکھ دیکھ کر اسے نہ صرف ٹرینڈ لسٹ میں لا رہے ہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ بھارتی معیشت کو بھی سہارا دے رہے ہیں۔ مضمون لکھتے وقت ایک بار پھر یوٹیوب کے ٹرینڈز چیک کیے تو پہلے 20 میں 6 پر بھارتی مواد اب بھی 'منہ چڑاتا' نظر آرہا تھا۔

شاید محرم الحرام کے اثرات تھے کہ میوزک کی ٹرینڈ لسٹ میں دیکھا تو 10 میں سے 4 پر تو ندیم سرور، فرحان علی وارث کے نوحہ کی ویڈیوز تھیں، باقی 6 پر بھارتی گانے ملین ملین ویوز کے ساتھ موجود تھے۔ پاکستانی ڈراموں کی مقبولیت اب بھی یوٹیوب پر جگہ بنائے ہوئے تھی، یہی نہیں بلکہ ڈرامے کی اگلی قسط کے پرومو بھی انتہائی مقبولیت کے درجے پر آپ کو ملیں گے۔ بات صرف

رائے سازی کرنے والے کہاں؟

ٹرینڈ ہی کی نہیں، مجموعی مزاج کی ہے۔ کئی دکانوں پر جہاں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی وافر سہولت موجود دیکھی، وہاں یوٹیوب سے ہی براہ راست بھارتی گانے چلتے دیکھے۔ یہی نہیں، اب تو ڈھائی تین گھنٹے کی بھارتی فلمیں بھی چونکہ دستیاب ہوتی ہیں یوٹیوب پر، اس لیے وہ بھی ہمارے بھارتی فلموں کے دلدادہ ذوق و شوق سے دیکھ کر اُن کی کثیر آمدنی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت بھارت میں بی جے پی کی اکھنڈ بھارت تشدد نظریات والی حکومت ہے، لیکن کیا آپ کو یاد نہیں کہ دوقومی نظریہ کانگریسی رویّے کی پیداوار تھا جو کہ گاندھی اور نہرو کے دور میں عملی شکل اختیار کر گیا۔ یہ اندرا گاندھی ہی تھی کہ جس نے سقوط ڈھاکہ کے بعد نظریہ پاکستان کو خلیج بنگال میں ڈبونے کا تاریخی جملہ کہا تھا۔ اس لیے پاکستان اور مسلمانوں کے لیے کیا کانگریس کیا بی جے پی، سب ایک ہی ہیں۔ اس لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ ہندوستان کیا ہے؟

اچھا اب تھوڑا ذکر یوٹیوبرز کا بھی ہو جائے۔ یوٹیوب اور کچھ اس کے طور طریقوں پر جولائی کی دو اقساط میں سمجھانے کی کوشش کی تھی، لیکن دو اقساط تو یوٹیوب کی دنیا کی تفصیل سمجھانے کے لیے یا جائزہ لینے کے لیے ناکافی ہیں، خصوصاً ایسے ماحول میں جب ہر نیا دن نئے تجربات کے تناظر میں نئی نئی چیزیں

سامنے لا رہا ہو۔ ویڈیو لاگز کی ایک بہار ہے جو کہ ایک جانب رات دن نت نئے تجربات کے ساتھ بارش کے بعد خودرو گھاس کی صورت بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اب سب سے آسان کام ہی یہ ہو گیا ہے کہ اپنا موبائل فون نکالیں، کم شور والی جگہ کا انتخاب کر کے یا اپنی یا کسی دوست کی گاڑی میں بیٹھ کر جو منہ میں آئے اسے ریکارڈ کرا کے اَپ لوڈ کر دیں۔ اچھا SEO کریں گے اور متعلقہ ٹرینڈنگ موضوع پر بات کریں گے تو اتنے ویوز تو مل ہی جائیں گے کہ آپ خوش ہو سکیں۔ پھر کمنٹس کا سلسلہ شروع ہوگا۔ اگر کسی تنازع یا ایسے موضوع پر لب کشائی کر دی جس پر پہلے ہی کسی سلیبرٹی یا کسی بڑے یوٹیوبر نے بات چھیڑی ہو، تو کیا کہنے۔ کہیں نہ کہیں تو کلک ہوگی اور ویڈیو وائرل ہونے کی سمت جائے گی۔ کچھ دن قبل پاکستانی اداکارہ ماہرہ خان کے بارے میں معروف آرٹسٹ فردوس جمال نے ایک جملہ کہہ دیا، بس پھر کیا تھا موضوع ٹرینڈ لسٹ میں آ گیا، پیچھے سے وی لاگرز کی بہار لگ گئی، سب نے خوب ہاتھ صاف کیے۔ جو جس کا جتنا بڑا 'فین' تھا اُس نے اتنی زیادہ 'ہوا' دی اور 'حق پسندیدگی' ادا کیا۔ اسی طرح پھر حالیہ بارشوں کے بعد ''کراچی میں کچرا'' کا موضوع ہر سو گرم رہا۔ آپ کو حیرت ہوگی یہ جان کر کہ بڑے بڑے تجزیہ کار بھی وہ نہ کر سکے جو عوام نے موبائل فون پکڑ کر کر دیا۔ اس سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ اصل بات ہی کہیں کھو گئی۔ اگر مجھے آپ کی رائے سے اختلاف ہے تو پھر میں آپ کی رائے کے برخلاف بات کروں گا۔ میرے فالوورز مجھے سپورٹ کریں گے، آپ کے آپ کو۔ پھر لائکس، سبسکرائب اور شیئر کی دوڑ شروع ہوگی۔ ان سب کے پیچھے ویوز کے ڈالر ہوں گے جس کی خاطر اصل دوڑ دھوپ ہے۔ پھر بتا دوں کہ یوٹیوب ایک بزنس پلیس بن چکا ہے۔ یہاں وڈیو پر ویوز کے پیسے ملتے ہیں اگر آپ لینا چاہیں، یعنی مونیٹائز کریں (یوٹیوب کی شرائط پر پورا اترنے کے بعد)۔ جن پاکستانی یوٹیوبرز کے زیادہ تر ویوز بھارت سے آتے

ہیں وہ مسئلہ کشمیر و دیگر پر مجرمانہ خاموشی اختیار کرتے ہیں کیونکہ انہیں اپنے ویوز، سبسکرائبرز اور یوٹیوب کی آمدنی کے گھٹ جانے کا خوف محسوس ہوتا ہے۔ اس کی اہم مثال 'شاہ ویر جعفری' ہیں جن کے پاس کوئی 1.8 ملین سبسکرائبرز ہیں، ان کے بعد 'دکی بھائی' ہیں جن کے پاس کوئی 1.3 ملین سبسکرائبرز ہیں، لیکن ان کے موضوعات دیکھیں تو آپ کو ایک درجے میں میری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔ ان سب کے پاس اول تا آخر یہی دلیل ہے کہ ''ہم کسی سیاسی، ملکی، قومی، بین الاقوامی، امتِ مسلمہ یا سیاسی، سماجی معاملے پر نہ ہی مہارت رکھتے ہیں، نہ ہی پہلے کبھی بات کی ہے، نہ آئندہ کریں گے۔ یوٹیوب پر آنے کا مقصد صرف پیسہ کمانا ہے، اور اس کے لیے نوجوانوں یا عوام میں جو عمومی مقبولیت کے رجحانات چل رہے ہوتے ہیں انہی کو ہم فالو کرتے ہیں''۔ ان کی بات اصولاً تو صحیح ہے، لیکن ان کی عدم دلچسپی اپنی جگہ مگر جیسا کہ میں نے کہا کہ کئی خودرو پودے نکلنا شروع ہو گئے ہیں جو زیادہ اثر انداز ہو رہے ہیں، کیونکہ لوگ جاننا چاہتے ہیں۔ اپنے اطراف سے ایک حد تک ہی وہ بے خبر رہ سکتے ہیں، اس کے بعد انہیں گفتگو میں حصہ ڈالنے کو مواد چاہیے ہوتا ہے جس کے لیے اب وہ رات کے کسی شو کا نہیں بلکہ یوٹیوب کا رخ کرتے ہیں۔ اس سے پہلے رائے عامہ، یا رائے سازی کے لیے ٹی وی اسکرین پر 'علامہ جگادری' ٹائپ کے سنجیدہ، غیر سنجیدہ، لفافے و غیر لفافے، صحافی و غیر صحافی، اینکر و نیوز کاسٹر تک کی شہرت رکھنے والے بٹھا دیے جاتے۔ وہ مرغوں کی لڑائی سے اپنے چینل کو ریٹنگ دلاتے اور اپنی تنخواہ بڑھوانے کا سبب بنتے۔ اب چونکہ ان کی ٹریننگ سے سب ہی اپنے تئیں تجزیہ نگار بن گئے ہیں اس لیے الامان والحفیظ ہی پڑھنا پڑتا ہے۔ بہرحال یہ تو ہونا تھا۔ بس یہ جان لیں کہ اصل ڈوری یہاں نہیں ہے، یہ تو ایک وسیع کاروبار کا نمونہ ہے۔ ہم پچھلی اقساط میں بتا چکے ہیں کہ یہ کس طرح وجود میں آیا، کس چکر میں؟ یاد ہے ناں آپ کو 'ڈیٹا' والی بات! یہ بھی یاد رہے کہ یوٹیوب کو گوگل خرید چکا ہے۔ دھندہ مندہ نہیں کرنا کسی صورت..... یہ ہے اصل مدعا۔

بہرحال بات ہو رہی تھی پاکستانی یوٹیوبرز کی، جنہوں نے کشمیر جیسے اہم ترین اور ناگزیر ایشو پر تو مجموعی خاموشی طاری رکھی، البتہ انہیں کئی اور موضوعات پر سماجی اصلاح کا بیڑا اٹھائے ہوئے ضرور دیکھا گیا۔

اب کرنٹ افیئرز ایسی خطرناک چیز ہے کہ مت پوچھیں۔ آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ پڑوسی ملک بھارت میں بھی بے شمار یوٹیوبرز موجود ہیں جن میں اکثر کو ان کے ''محکمہ زراعت'' کی جانب سے حب الوطنی کا کیڑا کاٹتا ہے تو سستی شہرت کے لیے اول فول بک کر ریٹنگ لانے کی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ اچھا پھر یہی نہیں کہ زبانی کلامی دلائل پر بات ہو۔ دلائل تو بہت دور کی بات ہے، اپنے وی لاگز میں دونوں طرف سے اخلاقی حدود پامال کر دی جاتی ہیں اور خوب گالیوں کی بوچھاڑ کر کے اپنی برتری ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان میں اوّل اوّل ہندوستانی بھاؤ اور شبھم مشرا نے سب سے زیادہ طوفانِ بدتمیزی مچائے رکھا۔ زبردستی اپنی بے کار ایکٹنگ سے اپنی ریٹنگ اور پاک بھارت ٹینشن کو بڑھانے کے لیے وقار ذکا، وقار صغیر اور ڈاکٹر ترکی جیسے پاکستانی وی لاگرز کو مخاطب کر کے موضوع بناتے ہیں۔ پھر دونوں جانب سے جوابات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ وقار ذکا نے کہا کہ اسے ریٹنگ کی فکر نہیں لیکن جواب دینا ضروری تھا۔ چنانچہ وقار نے بھی اخلاق سے گری ہوئی زبان استعمال کر کے جوابی ویڈیوز بنائیں۔ بات زبانی گالم گلوچ تک نہیں رہی، دو بدو مقابلے تک بات پہنچ گئی۔ کبھی دبئی، کبھی تھائی لینڈ، تو کبھی بھارت میں سامنا کرنے کی بات کی گئی۔ ڈاکٹر ترکی تو پھر بھی قائم رہے اپنی بات پر، تاہم ہندوستانی بھاؤ خاموش رہا۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے ہر ہر موضوع کو چھیڑا گیا۔ بھارت نے اپنا خلائی مشن چاند پر بھیجنے کی کوشش کی، اس کوشش میں وہ بھی زبردستی پاکستان کو لے آئے، جس کے جواب میں پاکستان نے بھی مشن کی ناکامی یا رابطہ منقطع ہو جانے پر خوب باتیں بنائیں۔ اہم بات یہ ہے کہ بھارت کے سب سے مشہور تقریباً سوا 2 ملین سبسکرائبر رکھنے والے ایک یوٹیوبر 'دھروو راٹھی' نے بھارت کی جانب سے آرٹیکل 370 کے خاتمے کی ذاتی رائے میں مخالفت کی ہے۔ اس کی اس ویڈیو کے کوئی 17.5 لاکھ ویوز ہیں۔ ویسے یہ وہی ہے جس نے 'را' کے مقاصد کا دفاع کرتے ہوئے 'احمد وقاص گورائیہ' کا انٹرویو اپنے چینل کے لیے کیا، جس میں یہ پیغام دینے کی کوشش کی گئی کہ ان کا 'توہینِ رسالت' سے کوئی تعلق نہیں، اصل معاملہ آرمی کے خلاف بولنے کا تھا۔

ابھی نندن، بھارتی الیکشن، مقبوضہ کشمیر، پھر بھارتی خلائی مشن..... تواتر سے ایسے ایشوز آئے کہ پاک بھارت تناؤ کی فضا عوامی سطح تک پہنچ گئی۔ بھارت کو ایک ہزار سال تک مسلم حکمرانی کا تازیانہ شدید تکلیف دیتا رہا۔ اب چونکہ حقیقت بھی ایسی ہی ہے کہ بھارت میں بی جے پی انہی نظریات کا پرچار کر کے مسلمانوں کے خلاف ہندو انتہا پسندوں کو یکجا کر رہی ہے تو پاکستانیوں کی جانب سے انہیں ماضی کی یاد دلانے کا عمل انتہائی تکلیف دہ گزرتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ برصغیر پر مسلمانوں کی ایک ہزار سال حکومت رہی اور ہندو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ یہی نہیں، مسلمانوں کو ہٹا کر انگریز برصغیر کے حکمران بن گئے تب بھی ہندو انگریزوں کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ البتہ بھگت سنگھ اور اس جیسے دیگر تین چار باغی کرداروں کے نام پر فلمیں ضرور بنائیں، لیکن یہ اپنی جگہ مسلمہ حقیقت ہے کہ بھگت سنگھ ہو یا انگریزوں سے آزادی کا کوئی اور رہنما، بغیر مسلمانوں کی مدد کے وہ کچھ بھی نہیں تھے۔ یہ مسلمان ہی ہے جس کے دین نے اسے غلامی کی قطعی تربیت نہیں دی، وگرنہ ہندو ازم کی تعلیمات میں آزادی کا ایسا کچھ فلسفیانہ یا نظریاتی پہلو موجود نہیں۔

بات ہو رہی تھی یوٹیوبرز کی، جو دونوں جانب ایک دوسرے کو ویڈیوز میں للکار رہے تھے اور ان کے چاہنے والے انہیں خوب داد دے رہے تھے۔ علمی سطح دونوں جانب گالیوں کے سوا کچھ نہیں۔ بھارت میں تو یہ سیلیبرٹیز کی صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں، پاکستان میں بھی اب یہ وقت زیادہ دور نہیں۔ وقار ذکا، باوجود کئی اسکینڈلز کے پہلے ہی سیلیبرٹی شمار کیے جاتے ہیں۔ جنید اکرم، ڈاکٹر ترکی، وقار صغیر سمیت کئی نئے نام اس فہرست میں جگہ بنا رہے ہیں۔ اصل ضرورت ہے اُن اہل الرائے، نظریاتی اور سنجیدہ محبِ وطن افراد کی، جو اس پلیٹ فارم پر بڑی تعداد میں موجود عوام کی رہنمائی کر سکیں۔

●●

افشاں نوید
jasaratsundaymag@gmail.com

مجلّہ جامعۃ المحصنات کی تقریبِ رہنمائی

الحمدللہ جامعات المحصنات کے چوتھے علمی وتحقیقی مجلّہ کی تقریب رونمائی منعقد ہوئی۔

ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی نے کراچی کے پانچ روزہ دورے کے انتہائی مصروف شیڈول میں اس تقریب کو شامل کیا۔ ڈاکٹر شگفتہ نقوی میلبورن سے ہفتہ بھر کے لیے تشریف لائیں۔ جب ان سے گزارش کی کہ مجلّہ کی تقریب رونمائی میں شرکت فرمائیں، تو کمالِ شفقت سے انھوں نے دعوت قبول کی اور کہا کہ علمی کاوشوں کی حوصلہ افزائی کرنا میں اپنا فرض سمجھتی ہوں۔

کراچی کی علمی وادبی شخصیات کی شمولیت نے تقریب کو چار چاند لگا دیے۔

مجلّہ، جامعات المحصنات کے شعبۂ تحقیق کی کاوش ہے۔ اس میں فارغ التحصیل طالبات کے تحقیقی مقالات کو بالخصوص جگہ دی جاتی ہے تاکہ المحصنات میں تحقیقی رجحان کی حوصلہ افزائی ہو۔

اداریہ	مدیرہ	07
مخطوطات کا تعارف واہمیت اور تاریخی پس منظر	گل ناز عبدالغفور	08
شام اور مشرق وسطیٰ کا حال اور مستقبل (احادیث کی روشنی میں)	میر بابر مشتاق	21
الہامی وغیر الہامی مذاہب میں ذبیحہ کا تصور	کنیز فاطمہ	34
اقبال کا تصورِ اجتہاد..... تحقیقی جائزہ	تہمینہ پرویز	47
معجزاتِ محمد عربیؐ۔ایک جائزہ	سمیرا چشتی	66
قرآن کا سائنسی انڈیکس	انجینئر شفیع حیدر صدیقی	86
عربی مقالات		
الارهاب.....		
كلمة حق اريدبها باطل	عالم خان	99
حكم حضور النساء لصلاة الجماعة في المسجد	الدكتورة جهان آراء لطفی	114

آپ کی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔

ڈاکٹر سمیحہ راحیل نے مجلّہ پر اپنا قیمتی تبصرہ تحریر کیا ہے، جو مجلّہ کی ٹیم کے لیے انتہائی حوصلہ افزائی کا سبب ہے۔

اداریہ

آج اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے ہر میدان میں تحقیق کی ضرورت ہے۔ دینی اصولوں کو جدید دور کے مسائل پر منطبق کر کے ان مسائل کا حل تلاش کیا جانا چاہیے۔ بلاشبہ تحقیق ایک گراں قدر اور محنت کا کام ہے، نئے اور اچھوتے موضوعات پر کام کرنا، موضوعات کی چھان پھٹک جہاں تھکا دینے والے کام ہیں وہیں نہ جانے کتنے مطالعہ کرنے والوں کی ذہنی آبیاری کا سبب بنتے ہیں۔ یہ جستجو ایسی ہی ہے جیسے سمندر سے قیمتی موتی تلاش کرنا۔ آج کا محقق آنے والے کل کی تعمیر کرتا ہے، بے چین روحوں کے اضطراب کو دور کر کے ایمان وآگہی کی دلیلیں فراہم کرتا ہے۔

مجلّہ المحصنات کی ٹیم کی حقیر مگر انتھک کوششوں، آپ کی دعاؤں، اور سب سے بڑھ کر رب کی عطا سے چوتھا مجلّہ آپ کے علم اور ذوقِ مطالعہ وتحقیق کی نذر ہے۔ ہم اہم سے اہم تر کی طرف گامزن اللہ سے عاجزی کے ساتھ اپنی مغفرت کے طالب ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں علم سے محبت اور خوشنودیٔ رب کے حصول میں کامیابی عطا فرمائے۔

آپ سب کے تعاون کی طلب گار

مدیرہ

ڈاکٹر عابدہ سلطانہ

نگراں شعبہ تحقیق

جامعات المحصنات پاکستان

☆.....☆.....☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمہ افشاں نوید صاحبہ، محترمہ ڈاکٹر عابدہ سلطانہ صاحبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

المحصنات کے شمارہ نمبر 4 کی رونمائی کا اعزاز دینے کے لیے شکر گزار ہوں۔ آنے کے بعد اس کو بہت شوق سے پڑھا۔ میں آپ سب کو مبارک باد دینا چاہوں گی کہ میں نے بہت عرصے بعد تحقیقی مقالوں کو اتنے غور اور شوق سے پڑھا۔ ذہنی آبیاری کے اس دقیق کام کو آپ سب نے اتنا سہل اور اتنا پُرلطف بنایا۔ آپ لوگوں کے لیے دلی دعائیں!

میں نے آپ کے مجلّے میں سے کچھ قیمتی موتی اپنے لیے چُنے اور اسے آپ کی نذر کرتی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے اسے ایک دو ورقے کی صورت میں چھاپ دوں۔ بہت ہی خوبصورت الفاظ جو واقعی آگاہی کی ایمان افروز منزلوں سے آشنا کرنے والے ہیں۔

☆ عابدہ بہن کا چھوٹا مختصر سا اداریہ صفحہ نمبر 7 پر فوری طور پر شوق کے دریچے وا کرتا ہے۔

☆ صفحہ نمبر 8 پر مخطوطات کا تعارف خاصے کی چیز ہے۔ مسودہ کا مطلب پہلی بار سمجھی ہوں۔ شکر گزار ہوں۔ Script Manu بھی وضاحت سے سمجھ میں آیا ہے۔ مخطوطات معاشرے کے ارتقاء کے سنگِ میل اور نشانات منزل کو واضح کرتے ہیں۔ انسانی تہذیبوں کی داستانوں کو رقم کرنے کا ذریعہ ہیں۔ معاشرہ مستقبل میں ترقی وکمال کی کن بلندیوں سے آشنا ہوگا، اس کی بشارت بھی کتابوں کے اوراق ہی میں ملی ہے۔

☆ صفحہ نمبر 11 پر کتاب شناسی اور کتاب داری کی خوبصورت اصطلاحوں سے واقفیت ہوئی۔

مخطوطات انسانی معاشرے کی اقدار و روایات کے امین ہوتے ہیں۔ ریکارڈ ہوتے ہیں۔ درسِ عبرت، حوصلے اور نظریات کے ترجمان ہوتے ہیں۔ مذہب اور عقیدے کے مظاہر ہوتے ہیں۔ عیسائی مؤرخ چرجی زیدان کا قول نقل کیا گیا ہے ''مسلمانوں کی یہ عجیب وغریب خصوصیت ہے کہ انہوں نے اُس وقت کے رائج علوم کو اپنی زبان میں منتقل کرلیا تھا اور تمدن کے تمام اسباب حیرت انگیز عجلت میں مہیا کر لیے جو کہ کسی اور قوم نے نہیں کیے''۔ اس جملے کو دیکھ کر حسرت واندوہ کی ایک ناقابل بیان کیفیت میں مبتلا ہوگئی کہ اس لیے ثریا نے ہم کو آسمان سے زمین پر دے مارا ہے۔

☆ صفحہ نمبر 15 پر تاریخ کے اس المیے سے آگاہی ہوئی کہ غیر مسلم اقوام نے مسلمانوں کی لائبریریوں کو سب سے پہلے تاخت وتاراج اسی لیے کیا کہ انہیں ان کی علمی اور ثقافتی میراث سے محروم کر کے ان کی آنے والی نسلوں کو ان کی تاریخ سے غافل کر دیا جائے۔ انہوں نے کتابوں کو انسانوں سے زیادہ اہمیت دی۔

☆ صفحہ 18 پر تحقیق، تعلیق، تدوین اور تخریج کا پتا چلا، اور عرب دنیا کی کتابوں کی جامع فہرست اور پی ایچ ڈی کے بیشتر موضوعات کا بھی علم ہوا۔

☆ صفحہ 18 پر حرفِ آخر بہت ہی علمی انداز میں تحریر کیا گیا ہے کہ مخطوطات ہماری میراثِ گم گشتہ، متاعِ عہدِ رفتہ، سرمایہ تاریخ، دولتِ بے بہا اور علمی اداروں کی طرف سے نگاہِ التفات کے منتظر ہیں۔ میر بابر مشتاق صاحب کے قلم کی مداح بھی ہوں اور شکر گزار بھی کہ میرے پی ایچ ڈی کے لیے مجھے بہت اچھی رہنمائی فراہم کی تھی۔ انہوں نے احادیث کی روشنی میں مشرق وسطیٰ کا حال بیان کیا ہے۔ بہت خوبصورت جملے صفحہ نمبر 21 پر تحریر نظر آتے ہیں کہ ''کتنی تعجب خیز بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمینی سفر تو کعبہ مکرمہ سے شروع ہوا اور آسمانی سفر کا نقطہ آغاز بیت المقدس بنا۔''

شام کی سرزمین کو پانچ ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کا بیان بھی ہماری تاریخ کی بدنصیبی ہے۔ فلسطین، اردن، لبنان، اسرائیل کا علاقہ بھی سرزمین شام ہی کہلاتا ہے۔ قرآنی آیات سے شام کی سرزمین کی فضیلت معلوم ہوئی۔ احادیث کے ذریعے سے حالات کی آگاہی حاصل ہوئی۔

میرے بزرگ کہا کرتے تھے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر دور کے رسول تھے۔ انہوں نے ماضی اور مستقبل کی ہلکی جھلکیاں ضرور بتا دی تھیں مگر حال کی جدوجہد پر آمادہ کیا۔ ہم سے ہماری کوششوں کا سوال ہوگا۔

لیس للانسان الا ماسعی۔۔

ہے اور یہ ایک عجیب فلسفہ ہے کہ انہوں نے انگریزی میں اجتہاد کے بارے میں کچھ اور خیالات کا اظہار کیا ہے مگر فارسی میں جو ان کا اصل کلام ہے، اس میں تقلید کو اہمیت دی ہے۔

صفحہ نمبر 51 پر اجتہاد کے بارے میں مولانا مودودیؒ کی رائے بیان کی گئی کہ مجتہد استفادہ ہر ایک سے کرے اور پرہیز کسی سے نہ کرے۔ مولانا جلال الدین عمری کی رائے بھی بیان کی گئی ہے کہ نئے مسئلے پر اجتہاد واجب ہے اگر لوگ شریعت سے ہی ہٹنے پر آمادہ ہو جائیں۔

صفحہ 52 پر علامہ اقبال کی وضاحت کرتے ہوئے سید محمد جعفری کی رائے لکھی گئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے ماضی کے بے جا احترام پر اپنے عہد کے تقاضوں کو قربان نہیں کیا، اگر قوم کے زوال کو روکنا ہے تو یہ طریقہ نہیں کہ گزشتہ تاریخ کو احترام کی نگاہ سے دیکھیں یا اس کا احیاء خود ساختہ ذرائع سے کریں۔ اقبال ایک جگہ اعتراف کرتے ہیں کہ اہلِ سنت اجتہادِ مطلق کے امکان کی نفی نہیں کرتے مگر اس قدر شرائط لگا دیتے ہیں کہ وہ عملاً ممکن نہیں ہوتا۔ صفحہ 55 پر اصولِ اجتہاد کا جائزہ اتنی خوبصورت تحریر ہے کہ دل ودماغ روشن ہو جاتے ہیں۔ اجتہاد کے لیے زبان، اس کے قواعد، محاوروں اور ادبی نزاکتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ ایک کا ما ادھر اُدھر ہونے سے معنی کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ قومی اسمبلی اور نظریاتی کونسل کی ممبر رہنے کی وجہ سے قانون سازی کے مرحلوں سے گزری ہوں۔ کتنے دن ایک بل پر بحث ہوتی تھی، مگر یہاں قرآن اور حدیث کی تعبیر اور اس پر اجتہاد وہ لبرل لوگ کرنے بیٹھ جاتے ہیں جن کو عربی زبان کی شد بد بھی نہیں، اور جو ترجموں سے قرآن اور حدیث کو سمجھتے ہیں اور پھر اس پر اپنی اپنی تعبیریں بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

صفحہ 60 پر ''اجتہاد احتیاط کا متقاضی'' کے عنوان سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے کہ اسلام میں آزاد خیالی کا تصور تاریخ اسلام کا ایک نازک لمحہ بھی ہے۔

لبرل ازم میں یہ رجحان موجود ہے کہ یہ انتشار کی قوتوں کو فروغ دے۔ مزید اس بات کا امکان ہے کہ ہمارے مذہبی اور سیاسی مصلح لبرل ازم کے نہ رکنے والے جوش میں اصطلاحات کی مناسب حدود کو بھی پار کر جائیں۔

صفحہ 62 پر خلاصۂ بحث نے پورے خطبے کو شاندار الفاظ میں سمیٹا ہے۔ اور رموزِ بے خودی کا یہ باب بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔

''در زمانہ انحطاط تقلید اجتہاد اولیٰ تر است'' زمانہ انحطاط میں تقلید اجتہاد سے اولیٰ تر ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، قرآن کا سائنسی انڈیکس، دہشت گردی کے بارے میں مقالے بہت اہمیت کے حامل ہیں، اور محترمہ جہاں آرا لطفی نے میری پسند کا موضوع منتخب کر کے میری دُکھتی رگ کو چھیڑا ہے۔ میری اپنے والدِ محترم سے اکثر اس پر بات ہوتی تھی، وہ فرماتے تھے کہ جو عورتیں گھر سے بالکل باہر نہیں نکلتیں اُن کے لیے گھر پر نماز افضل ہے، مگر جو سارا دن باہر پھرتی ہیں اور پھر انہیں علماء کہتے ہیں کہ مسجد نہ آؤ، یہ ظلم ہے۔

وہی عورتیں اپنی نسلوں کی اچھی تربیت کر سکیں گی اور مسجدوں کو آباد رکھ سکیں گی جن کا تعلق مسجد سے مضبوط ہوگا۔ مسجد ایک عبادت گاہ ہی نہیں بلکہ سیاسی اور سماجی مرکز بھی بنے، تب ہی ہم ترقی کر سکیں گے۔

میں اس مجلّے پر آپ سب کو دوبارہ مبارک باد دیتی ہوں اور مخطوطے کی اس قدر اہمیت پڑھ کر اپنے قلم والا اصلی مشورہ آپ کی خدمت میں بھیج رہی ہوں کہ اسے میں نے بہت دل سے پڑھا اور لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اس کاوش کو اپنے دربار میں شرفِ قبولیت بخشے اور ہم سب سے راضی ہو جائے۔ آمین

والسلام

آپ کی بہن

ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی

صدر انٹرنیشنل مسلم ویمن یونین

ڈاکٹر سمیحہ کو جامعات المحصنات کی مطبوعات پیش کی جارہی ہیں

ڈاکٹر سمیحہ کو جامعات المحصنات کی مطبوعات پیش کی جارہی ہیں

مجلہ کی تقریب رونمائی

مجلہ کی تقریب رونمائی۔۔ دائیں طرف سے
غزالہ عزیز۔ افشاں نوید۔ ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی۔ ڈاکٹر شگفتہ نقوی

قدسیہ ملک
qudsiamcdian@gmail.com
jasaratsundaymag@gmail.com

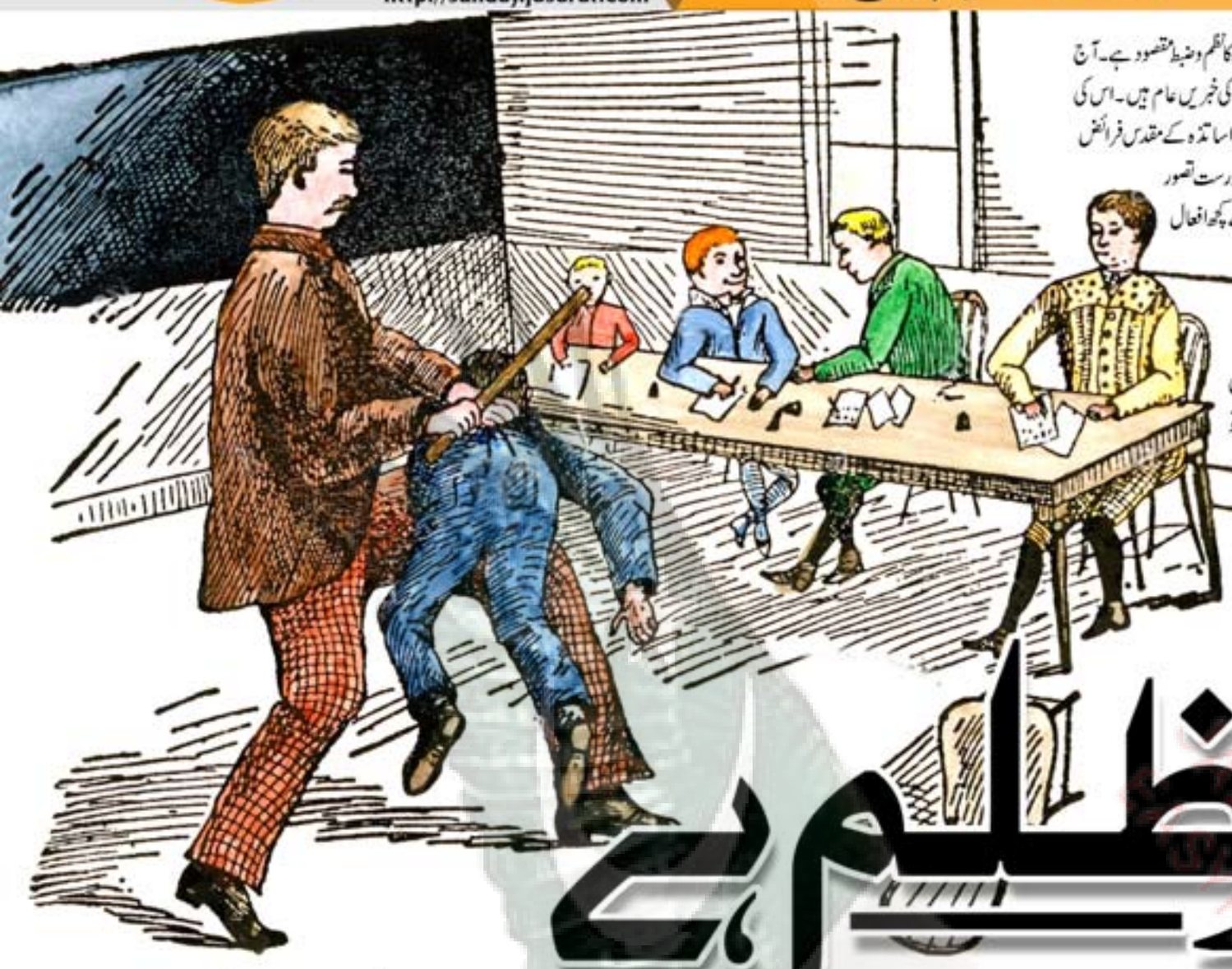

ظلم پر ظلم ہے

اے آر وائی کے مطابق 4 ستمبر کو لاہور کے علاقے گلشن راوی میں نجی اسکول میں ٹیچر کے تشدد سے طالب علم انتقال کر گیا، اہل خانہ کا کہنا ہے کہ 16 سال کا حنین ٹیچر کے تشدد سے بے ہوش ہوا، لیکن اسکول انتظامیہ نے اسے اسپتال نہیں بھیجا۔ پولیس نے طالب علم کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے مُردہ خانے منتقل کردیا، پوسٹ مارٹم کے بعد اصل حقایق سامنے آئیں گے۔ حنین دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔ ٹیچر واقعے کے بعد فرار ہوگیا تھا، تاہم اسے گرفتار کرلیا گیا ہے۔ مقدمے میں کہا گیا ہے کہ اسکول پرنسپل اور انتظامیہ حنین کو فیس کی وجہ سے ذہنی ٹارچر کررہے تھے، حنین کے دوستوں نے بتایا کہ سبق یاد نہ ہونے پر ٹیچر کامران نے تشدد کیا، ٹیچر نے دیوار پر حنین کا سر مارا جس پر وہ زمین پر گر گیا۔ ٹیچر کامران کے تشدد سے حنین کی کلاس میں ہی موت واقع ہوگئی۔ دریں اثنا صوبائی وزیر تعلیم مراد راس کی ہدایت پر ای او ایجوکیشن پولیس کے ساتھ اسکول پہنچے تھے، ٹیچر کو گرفتار کر کے اسکول کو سیل کردیا گیا ہے۔ سی ای او ایجوکیشن کا کہنا تھا کہ کسی بھی اسکول میں بچوں پر تشدد نہیں کرنے دیا جائے گا۔

اسی طرح کا دوسرا واقعہ بہاولپور میں پیش آیا جہاں بہاولپور گورنمنٹ ہائی اسکول کے استاد نے بچوں پر تشدد کیا تو ایک طالب علم خوف سے ہی جان کی بازی ہار گیا، جس پر گھر میں کہرام مچ گیا۔ رپورٹ کے مطابق حسان نامی استاد نے نویں جماعت کے طالب علم طلحہ پر کرسی کی پٹھی سے بدترین تشدد کیا جس کے خوف سے ایک طالب علم جاں بحق ہوگیا۔ نمائندہ اے آر وائی نیوز چوہدری سلیم کے مطابق والد کی جانب سے ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر اور پولیس کو درخواست کی گئی ہے لیکن پولیس کی جانب سے واقعے کا نوٹس نہیں لیا گیا اور نہ ہی ٹیچر حسان کے خلاف مقدمہ درج کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ پنجاب میں بچوں پر تشدد کا یہ پہلا واقعہ نہیں ہے، اس سے قبل بھی صوبہ پنجاب کے ضلع چنیوٹ میں استانی نے سبق یاد نہ کرنے پر 15 طالبات کو انوکھی سزا دیتے ہوئے ان کے بال کاٹ دیئے تھے۔ رواں سال فروری میں ملتان کے گورنمنٹ ایم اے جناح اسکول میں سالانہ تقریب کے لیے فنڈ نہ دینے پر طالب علم کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا، بعدازاں تشدد کرنے والے 2 اساتذہ کو معطل کردیا گیا تھا۔

مدارس ہوں یا اسکول..... تعلیم و تربیت میں مار پیٹ پر انحصار کا رویہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ بچے کی کردار سازی اور ذہنی تربیت مقصود نہیں بلکہ صرف تعلیمی ادارے کا نظم و ضبط مقصود ہے۔ آج کل مختلف چینلز پر شاگردوں پر بے انتہا تشدد اور زیادتی کی خبریں عام ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ مناسب تربیت کا نہ ہونا ہے۔ والدین اور اساتذہ کے مقدس فرائض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ بچوں کو معاشرتی زندگی کا درست تصور دیں اور انہیں معاشرے کا احترام کرنا سکھائیں۔ ہمارے کچھ افعال تو محض انفرادی ہوتے ہیں، لیکن کچھ کا اثر بالواسطہ یا بلاواسطہ ہمارے اردگرد کے لوگوں پر پڑتا ہے، یعنی ہمارے بعض افعال اجتماعی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ آج المیہ یہ ہے کہ بعض اساتذہ بچوں کو بڑی بے رحمی سے مارتے ہیں اور جب چھڑی اٹھاتے ہیں تو پھر روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیتے ہیں، ان کو اس وقت کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ چھڑی بچے کے جسم پر کہاں لگ رہی ہے، اس سے نقصان کا کس قدر اندیشہ ہے۔ بعض اساتذہ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بچوں کی ہڈی پر زور زور سے چھڑیاں مارتے ہیں، بچوں کو تھپڑ، مُکّے، گھونسے اور لاتیں مارتے ہیں۔ بچوں کے ہاتھ پاؤں کو بے دردی سے مروڑتے ہیں۔ یہ سب چیزیں قرآن و سنت، خلف و سلف کے افکار اور فقہ اسلامی کے سراسر خلاف ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہترین معلم تھے، آپؐ نے ایک معلم سے فرمایا: ''تین ضرب سے زیادہ مت مارو، اگر تم تین ضرب سے زیادہ مارو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے قصاص لے گا۔'' چہرے پر نہ مارا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ طلبہ کو جرائم پر سزا دی جاسکتی ہے۔ اس طرح علم و ادب سکھانے کے لیے بھی بقدرِ ضرورت سزا کی اجازت ہے، جس کے لیے شریعت نے حد مقرر کی ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ''چہرے پر مارنے کی ممانعت اس وجہ سے ہوئی ہے کہ یہ اعظم الاعضاء ہے اور اجزاء شریفہ اور لطیفہ پر مشتمل ہے، اگر کسی نے چہرے پر تھپڑ مارا تو اس پر ضمان لازم ہے۔''

ابن خلدون نے ابتدائی تعلیم میں مار پیٹ کے مسئلے پر بحث کے لیے ایک فصل مخصوص کی ہے جس کا عنوان ہے ''طلبہ پر سختی ان کے لیے نقصان دہ ہے''۔ چھوٹی عمر کے جن بچوں کی پرورش تشدد اور مار پیٹ سے ہوتی ہے اُن میں علم اور عمل کا شوق ختم ہوجاتا ہے۔ اکثر مدرسے سے بھاگ جاتے ہیں، ان میں سستی، جھوٹ بولنے، برا سوچنے، مکر، دھوکہ دہی جیسی بری عادتیں پڑتی ہیں، ضمیر مُردہ ہوجاتا ہے۔ خوف اور دہشت کی نفسیات ان کی عزتِ نفس کو مجروح کرڈالتی ہے۔

ابن خلدون نے اس فصل میں خلیفہ ہارون الرشید کے اس خط کا متن بھی نقل کیا ہے جو اُس نے اپنے بیٹے شہزادہ امین کو خلف بن حیان الاحمر کی شاگردی میں دیتے ہوئے لکھا ''امیر المومنین اپنے دل و جان کا نچوڑ اور جگر کا ٹکڑا تمہاری خدمت میں بھیج رہے ہیں۔ براہِ کرم اپنے علم کے وقار میں اسے جگہ دیں اور اسے اپنا حکم بجالانا سکھائیں۔ اس کے ساتھ اسی درجے کا سلوک کریں جو امیر المومنین نے آپ کو عطا کیا ہے۔ اسے قرآن کی تعلیم دیں۔ اسے اخبار اور تاریخی واقعات سے آگاہ کریں۔ اسے شعر و ادب کی تربیت دیں۔ اسے علمی میراث سے واقفیت بہم پہنچائیں۔ اس میں پڑھنے اور سمجھنے کا ملکہ پیدا کریں۔ اس کو سکھائیں کہ ہنسنا ہو تو موقع کے مطابق۔ اس کی تربیت کریں کہ یہ بنو ہاشم کا، علما کا اور بڑوں کا احترام کرنا سیکھ لے۔ اس کی ایسی تربیت کریں کہ جب سرکردہ لوگ اس سے ملنے آئیں تو ان کے متعلقہ علوم و فنون میں ان کے مراتب کے اعتبار سے ان کا خیر مقدم کرے۔ اس کے ساتھ کبھی ایسا سلوک نہ کریں کہ اسے افسوس اور بے چارگی کا احساس ہو، کیونکہ ایسے سلوک سے دل مُردہ اور عقل ماؤف ہوجاتی ہے۔ تاہم اسے اتنی کھلی چھوٹ بھی نہ دیں کہ وہ سست پڑ جائے اور تعیش کی راہ اختیار کرے۔ اس کی عادات اور رویوں کو بدلنے میں نرمی اور تحمل سے کام لیں۔ ہاں اگر وہ کہنا نہ مانے تو اس کے ساتھ سختی سے پیش آئیں''۔ ابن خلدون نے والدین اور اساتذہ دونوں کو نصیحت کی ہے کہ تادیب میں شدت اختیار نہ کریں۔ ان کتب میں مار پیٹ کے پانچ اسباب کا ذکر ملتا ہے۔ کچھ مثبت ہیں اور کچھ منفی۔ مثبت میں نظم و ضبط قائم کرنے، اطاعت اور ادب کی عادت اور اخلاق کی اصلاح کا ذکر ہے۔ منفی میں استاد کی جانب سے غصے اور انتقام کا رویہ، انکار اور مزاحمت کی عادت کو توڑنا، بچے کے دل میں خوف بٹھانا، عادہ اور تکرار کے لیے جبر کو اختیار کرنا شامل ہیں۔

محقق محمد بلال خان طالب علم کے فرائض بیان کرتے ہیں:

☆ تمام طالب علموں کو اساتذہ کا احترام کرنا چاہیے۔
☆ جو استاد صحیح نہ پڑھاتا ہو اس کی شکایت انتظامیہ کو دیں، نہ کہ خود جج بنیں۔
☆ استاد جو کہے اسے مکمل خاموشی، غور اور مکمل توجہ سے سنیں۔
☆ استاد کو بیرونی طاقتوں سے نہ ڈرائیں۔
☆ اپنے سوالات وقفۂ سوالات کے دوران کریں۔
☆ کلاسوں میں استاد کی غیر موجودگی میں اسکول کو سر پر نہ اٹھائیں۔

بالکل اسی طرح استاد کو کیا کرنا چاہیے؟

☆ استاد کو معلم بن کر پڑھانا چاہیے۔
☆ مار پیٹ سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔
☆ طالب علموں سے حُسنِ سلوک کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔
☆ جو سبق پڑھانا ہو اس کی تیاری پہلے کر کے آئیں۔
☆ طالب علم پر اپنا غصہ نہ نکالیں۔
☆ طالب علم کو صحیح اور غلط کا فرق بتائیں۔
☆ شاگرد کو جھوٹ اور سچ کی تمیز سکھائیں۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: ''استاد کے لیے یہ جائز نہیں کہ شاگرد کو ادب دلانے کے لیے سخت مارے۔ سخت مارنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ہڈی ٹوٹے، کھال اکھڑے یا کھال سیاہ ہوجائے۔''

بچہ استاد یا استانی کے سوال کا جواب سخت لہجے میں دے، یہ بے شک غلط طریقہ ہے، لیکن استاد کا فرض ہے کہ وہ اسے سمجھائے۔ لیکن استاد کہتے ہیں: تم اپنے ماں باپ کے سامنے بھی اسی طرح بات کرتے ہوگے۔ کیوں کہ استاد والدین کی جگہ ہوتا ہے۔ استاد تو واقعی والدین کی جگہ ہوتا ہے لیکن وہ بھی تو بچوں کو والدین کی طرح ہی سمجھائے، نہ کہ ان سے دشمنی مول لے۔ مار پیٹ سے ذہن نشوونما نہیں پاتا بلکہ ماؤف ہوجاتا ہے۔ استاد کے ساتھ ساتھ شاگرد کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ استاد کی عزت کرے۔ اس سے مہذب ترین الفاظ میں بات کرے۔

ترقی یافتہ ملک جاپان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہاں ہر سطح پر ایک مستقل تربیتی پروگرام رکھا جاتا ہے۔ ہر شعبے میں ایسے ماہرین چنے جاتے ہیں جن کا کام ہی مہینے میں ایک بار نئے تقاضوں کے مطابق اساتذہ اور مختلف شعبوں سے وابستہ افراد کی ٹریننگ کرانا ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں خصوصاً ہندوستان اور پاکستان میں اب تک وہی فرسودہ غلامانہ طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ بعض جگہ صرف اسکول کی خوبصورت عمارتیں اور خوبصورت یونیفارم بنانے پر توجہ دی جاتی ہے۔ استاد کی تربیت کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہوتا۔ اگر کہیں استاد نے کوئی ٹریننگ کی بھی ہوتی ہے تو اس کو اپ ڈیٹ نہیں کیا جاتا بلکہ وہ اپنی پوری سروس اسی ایک ٹریننگ اور ذاتی تجربے پر گزار دیتا ہے۔ ایک طرف یہ صورت حال ہے، تو دوسری جانب بہت سے اساتذہ بھی اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہیں۔ ہمارے ہاں بعض اسکولوں میں اساتذہ کے لیے ہر سال کورسز کرائے جاتے ہیں۔ یہ ریفریشر کورس کہلاتے ہیں، لیکن بعض اساتذہ اپنی چھٹیوں میں یہ کورسز نہیں کرتے کہ ان کو اپنی چھٹیاں عزیز ہوتی ہیں۔

آج کے دور میں تادیب کے مفہوم کی بھی نئی تشریح کی ضرورت ہے۔ اس کے حوالے سے صرف مار پیٹ، گالی گلوچ، تشدد اور درشتی سے پیش آنے کی ممانعت ہی نہیں ایسے تمام رویوں کی مذمت ضروری ہے جن سے بچے پر کسی بھی قسم کا نفسیاتی دباؤ پڑتا ہو۔ ایسا کوئی بھی سلوک جو بچے کی عزتِ نفس کو مجروح کرے اور اس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو مفلوج کرے مار پیٹ سے زیادہ نقصان دہ ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے استاد اور طالب علموں کے درمیان تعلقات کو نئے خطوط پر استوار کیا جائے۔ سماجی نفسیات اس چیز کی متقاضی ہے کہ بچے کی گروہی جبلت کی درست تربیت کی جائے تاکہ وہ اپنے اردگرد کی دنیا کے ساتھ صحیح طریقے پر ہم آہنگ ہوسکے اور بڑا ہو کر ایک کامیاب شہری بن سکے۔

سیدہ عنبرین عالم
jasaratsundaymag@gmail.com

عشق فاتحِ عالم

مولانا احتشام الدین شہر کے بہت بڑے عالم تھے، مگر علما کی اکثریت کو اُن سے اختلاف رہتا تھا۔ ان کے اچھوتے خیالات اور ناممکن تجویزیں اکثر انہیں مذاق کا نشانہ بھی بنا دیتی تھیں، مگر اب بھی بہت لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے، انہی میں سے ایک نام مولانا شمس الاسلام کا تھا، جو ایک جامع مسجد اور اس سے ملحقہ مدرسے کے منتظم اعلیٰ تھے۔ انہوں نے مدرسے کی تقسیم انعامات کی تقریب میں مولانا احتشام کو تقریر کے لیے مدعو کیا۔ اس تقریب میں طلبہ، ان کے والدین اور علاقے کے معززین شامل تھے۔ خاصا بڑا مجمع تھا۔

''السلام علیکم!'' مولانا اسٹیج پر تشریف فرما تھے۔ ''حاضرین! میں چاہتا ہوں کہ مجمع میں سے چند افراد پہلے کچھ سوالات کرلیں۔ گزارش ہے کہ ہاتھ بلند کیجیے تاکہ میں سوالات کے جواب دوں۔''

''جناب! عورتوں کو بے جا تزئین و آرائش کرنے پر مارا جاسکتا ہے یا نہیں؟'' ایک باریش بزرگ نے سوال کیا۔

''مولانا صاحب! عورتوں کو جماعت میں جانے پر زیادہ ثواب ملتا ہے یا اکیلے نماز پڑھ کر؟'' ایک لڑکے نے پوچھا۔

''محترم! کیا ایک ساتھ دو طلاق دینے سے، دو طلاقیں ہوں گی یا ایک؟'' ایک خوش لباس صاحب نے پوچھا۔

''گزارش یہ ہے کہ روزے کے دوران خون کا ٹیسٹ دینے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟'' ایک طویل قامت حضرت کا سوال۔

مولانا احتشام مسکراتے رہے۔ ''حضرات! میرا ان سوالات کے جوابات دینے کا کوئی ارادہ نہیں، میں تو بس مجمع کی ذہنی استطاعت معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔ اہلِ بغداد بھی ایسے ہی چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھے ہوئے تھے جب چنگیز خان نے بغداد کو تاراج کردیا۔ ہم اپنی عورتوں پر انتہائی سختی سے اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں، کیا ہم وہ کر رہے ہیں جس کی امید ہم مردوں سے رب کو ہے؟ کیا عورتوں کو تزئین و آرائش پر زدوکوب کرنے سے زیادہ ضروری عمل یہ نہیں ہے کہ ہم انہیں اللہ کی کتاب کے علم سے آراستہ کریں، جس سے رفتہ رفتہ ان کی روح اس قدر پُرنور ہوجائے گی کہ وہ خود ہی اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلنے لگیں گی۔ کیا مرد کی ذمے داری نہیں ہے کہ اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرے۔ تو کیا آپ نے امریکا کے بڑھتے قدم روکنے کے لیے کوئی حکمت عملی ترتیب دے لی ہے، کیوں کہ کفر تو ایک کے بعد ایک مسلم ریاست کو روندتا ہوئے آگے بڑھ رہا ہے؟'' انہوں نے نرم لہجے میں سامعین سے کہا۔

ہجوم پر گہرا سناٹا چھا گیا، مولانا شمس الاسلام مسکرانے لگے۔ انہیں مولانا احتشام کے ملائم انداز میں اصل موضوع کی طرف گامزن ہونے کا انداز بھا گیا تھا۔ مولانا احتشام جوابی مسکراہٹ کے ساتھ تقریر کا باقاعدہ آغاز کرنے لگے:

''بالفرض اگر انڈیا اور اسرائیل کا مشترکہ حملہ، جو فروری 2019ء میں پاکستان پر کیا گیا، کامیاب ہوجاتا تو کیا آپ کی خواتین تزئین و آرائش کا کوئی سامان خرید پاتیں؟ مسجدیں بھی بمباری میں شہید ہوجاتیں، پھر کیسی جماعت! گھر ہی ٹوٹ جاتے، سب بیوی بچوں کو بچانے کی فکر میں ہوتے۔ طلاقوں کی عیاشی تو بے فکرے کرتے ہیں، ایک سے ناراض تو دوسری، دوسری سے بے زار تو تیسری۔ آج شام جاکر پوچھ لیجیے کہ جنگ شروع ہونے کے بعد وہاں طلاقوں کی شرح کیا ہے؟ صفر۔ وہ تو صرف یہ سوچتے ہیں کہ گھر کا کوئی فرد کسی طرح زندہ بچ جائے۔ بنے بنائے خاندان توڑنے کی ہمت کس میں ہے؟ اگر حملہ کامیاب ہوجاتا تو چار دن بھی کچھ کھانے کو نہ ملتا۔ روزہ ہی روزہ۔ ابھی آپ فارغ ہو، کوئی ٹینشن نہیں، اس لیے چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھتے ہو۔ کیا آپ سب نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا؟ کیا آپ نے غیبت کرنی چھوڑ دی؟ کیا آپ سب وہ سب کچھ جو ضرورت سے زیادہ ہے، اللہ کی راہ میں دیتے ہو؟ یہ ہیں واضح اور بڑے احکام۔ جو اتنے اہم احکام ہیں ان پر تو عمل کرتے نہیں، بال کی کھال اتارتے ہو۔ اگر ہم پاکستانی صرف یہ تین احکام ہی مان لیں تو آپ دیکھیے کہ کیسے بدلتی ہے پاکستان کی قسمت۔ لالچ اور خیانت ہمیں لے ڈوبی، بے حیائی اور نفس پرستی کی ہم مثال بن گئے، اور ہم کسی آسمانی قائد کے منتظر ہیں۔ نہیں! سب سے پہلے ہم کو اپنے آپ کو بدلنا ہوگا۔ کم از کم قرآن کے آٹھ دس حکم ہی مان لو سب مل کر۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں ان چند احکام کی ہی ایسی برکت ہوگی کہ ہم امریکا، انڈیا اور اسرائیل فتح کرلیں گے۔''

ایک صاحب اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ ''مولانا صاحب! انڈیا ڈر کر بھاگ گیا، اُن کا ایک پائلٹ ہم نے پکڑ لیا، اور دوسرا جو اسرائیلی پائلٹ تھا وہ ہلاک ہوگیا، ہماری دھاک تمام دنیا پر بیٹھ گئی، اب کس بات کا خوف؟'' وہ گویا ہوئے۔

مولانا احتشام طنزیہ انداز میں مسکرائے، لیکن چہرے پر نہ تو ناگواری تھی، نہ گرج برس۔ وہی پُرسکون نرم ترین لہجہ۔ ''میرے بیٹے! خطرہ اب بھی سر پر کھڑا ہے، اب یہ سترہویں صدی نہیں ہے کہ بم برسائے، جنگ ہوگئی۔ آپ نے غور نہیں کیا کہ عراق پر حملہ کرنے سے پہلے ایک بین الاقوامی انسدادِ ہتھیار تنظیم سے عراق کا تفصیلی معائنہ کرایا گیا کہ ان کے پاس ایٹمی ہتھیار ہیں یا نہیں۔ ہتھیار نہیں تھے تو حملہ کیا گیا۔ پاکستان کا انہیں پتا ہے کہ ہمارے پاس ایٹمی ہتھیار ہیں۔ کافر بزدل ہوتا ہے، وہ کبھی ہم پر کھلا حملہ نہیں کریں گے، انڈیا نے جو ذرا سی جرأت کی تھی وہ ایک ٹیسٹ کیس تھا، عالمی طاقتیں دیکھنا چاہتی تھیں کہ ہم کس حد تک تیار ہیں؟ اور جس بہترین انداز میں ہماری افواج نے چوکسی کا مظاہرہ کیا، وہ سمجھ گئے ہیں کہ ہم ناکوں چنے چبوا دیں گے، لہٰذا اب پانچویں جنریشن وارفیئر کا سہارا لیا جائے گا، یعنی ہمیں اندر سے اس قدر کمزور کردیا جائے گا کہ ہم بیرونی محاذ پر لڑنے کے قابل نہ رہیں۔ کیسے؟ جی ہاں نااہل ترین قیادت، معیشت کو برباد کرنے کے لیے آئی ایم ایف کے ہرکارے، قرضوں کے بے رحم شکنجے..... نہ کوئی منصوبہ بندی، نہ کوئی مخلص حکمران۔ یہ مشن شروع ہوچکا ہے۔'' انہوں نے فرمایا۔

ایک کم عمر سے لڑکے نے سوال کی اجازت چاہی۔ ''مولانا صاحب! آج کل کے حالات میں ایک پاکستانی مردِ مومن کی حیثیت سے ہماری کیا ذمے داری ہے، جب کہ کوئی قیادت قابلِ اعتبار بھی نہیں؟'' اس نے پوچھا۔

مولانا احتشام غور سے لڑکے کو دیکھتے رہے۔ ''آپ مجھے بتاؤ آپ کیا کررہے ہو، ایک مردِ مومن بن کر؟'' انہوں نے پوچھا۔

لڑکے نے کچھ توقف کے بعد کہا ''میری عمر 17 سال ہے، مجھ پر پڑھائی کا بھی دباؤ ہے اور گھریلو حالات کی وجہ سے معاش کی تگ و دو بھی ہے، پھر بھی میں نے چھ کلمے یاد کر لیے ہیں۔ آئینہ دیکھنے کی دعا، لباس تبدیل کرنے کی دعا، غسل کی دعا وغیرہ..... تقریباً چالیس دعائیں مجھے یاد ہیں۔ عمہ پارہ کی تقریباً تمام سورتیں ازبر ہیں، نماز کا پابند ہوں، الحمدللہ اہلِ خانہ، اہلِ محلہ یا احباب میں سے کسی کو میرے رویّے سے بھی تکلیف نہیں۔'' اس نے بتایا۔

''ماشاءاللہ.....'' مولانا احتشام نے دھیمے سے کہا۔ ''آپ آج کل کے بہت سے بچوں سے بہتر ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے اگر پاکستان کے 22 کروڑ عوام چھ کلمے اور چالیس دعائیں یاد کرلیں تو کیا ہم امریکا کا مقابلہ کرلیں گے؟'' انہوں نے پوچھا۔

لڑکا مسکرا اٹھا۔ ''نہیں! لیکن اس طرح ہم اللہ کو راضی کرلیں گے اور اللہ ہمیں فتح دلوا دے گا۔'' اس نے خیال ظاہر کیا۔

''ٹھیک ہے.....'' مولانا احتشام نے فرمایا ''یہیں مجمع سے ایک اور لڑکا چن لیتے ہیں جو کردار میں جیسا بھی ہو، مگر اسے 6 کلمے اور 40 دعائیں یاد نہ ہوں، آپ دونوں کی کشتی کروا لیتے ہیں، دیکھتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی مدد فرماتا ہے یا نہیں؟'' مولانا نے ایک لمبے چوڑے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ سوال پوچھنے والا لڑکا اس لمبے تڑنگے لڑکے کو دیکھ کر مسکرا اٹھا۔ ''ایک سوال کی سزا میں آپ میری ہڈیاں تڑوانے کا ارادہ رکھتے ہیں!'' وہ بولا۔

سارا مجمع کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ مولانا احتشام نے بھی زوردار قہقہہ لگایا۔ ''برخوردار! اللہ 6 کلمے اور 40 دعاؤں پر مدد نہیں بھیجتا۔ مدد اُس وقت آتی ہے جب ایمان صحابہؓ بدر جیسا ہو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ یہ کلمے اور دعائیں وقت بے وقت، ہر کام سے پہلے پڑھنے کا حکم میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں دیا؟'' انہوں نے سوال کیا۔

لڑکا گہری سوچ میں پڑ گیا۔ ''میری ناقص رائے میں یہ سب اللہ تعالیٰ سے مسلسل رابطے میں رہنے کے اسباب ہیں۔ ہر کام سے پہلے دعا پڑھیں گے، کلمے دن میں ایک بار پڑھیں گے، تو اس دوران دراصل ہم اللہ کو یاد کررہے ہیں، ہم یہ سب اللہ سے تعلق کو مضبوط کرنے کے لیے کرتے ہیں، اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''ماشاءاللہ، درست جواب''۔ مولانا احتشام نے زور سے کہا۔ ''تو کیا آپ کا تعلق استوار ہوا اب تک؟'' انہوں نے پوچھا۔

''اللہ کے بارے میں کم سوچتا ہوں، زیادہ تر مسائل ہی دماغ پر حاوی رہتے ہیں، اللہ معاف کرے۔'' وہ بولا۔

''اگر خود بخود اللہ کے احکام پر عمل کرنے لگو، تنہا بیٹھو تو میرے رب کو سوچو، اپنی تکلیف سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر ہو، سوتے میں اللہ کے نام کا ورد خود بخود زبان پر جاری رہے، ہر دکھ اور خوشی پر میرے اللہ سے باتیں کرنے بیٹھ جاؤ، تو یہ ہے تعلق، اسے کہتے ہیں رابطہ، پھر آتی ہے اللہ کی مدد۔'' مولانا نے بتایا۔

''ابھی تو یہ کیفیت نہیں، البتہ کبھی قرآن پڑھتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔'' لڑکے نے اپنا حال گوش گزار کیا۔

''الحمدللہ، یعنی روح میں ابھی زندگی باقی ہے، دل بے قرار ہوتا ہے، عشق کی چنگاری موجود ہے۔ بیٹا! ہر وقت میرے اللہ سے باتیں کرنا بہت ضروری ہے۔ چاہے دعائیں یاد نہ ہوں، ہر کام سے پہلے بسم اللہ ہی پڑھ لو، میرے اللہ کو اپنا حال بتاتے رہو، شکایتیں کرو، مدد مانگو، معافی مانگو، بس باتیں کرو، اسے بھولو نہیں، اسے چوبیس گھنٹے ساتھ رہنے والا دوست بنالو، کیوں کہ اصل مقصد ہے تعلق بنانا۔ یہی مردِ مومن کی پہلی ذمے داری ہے۔'' مولانا نے کہا۔

''میرا تعلق میرے اللہ سے استوار ہوجائے تو کیا پاکستان امریکا کو ہرا دے گا کسی جنگ میں؟'' لڑکے نے پوچھا۔

''نہیں، پھر یہ عشق تم اپنے گھر والوں کے دل میں اتارو گے۔ یاد رکھنا محبت سکھانے کے لیے محبت ہی استعمال کرنی پڑتی ہے میرے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح، ورنہ دلوں میں بال آجاتا ہے سختی سے۔ اللہ کے بندوں کو اللہ کی رحم کی صفت کا نظارہ کراؤ، اپنی ذات میں رحمت بن جاؤ۔ میرے نبیؐ اگر رحمت للعالمین نہ بنتے تو کبھی بندوں کو ان کے رب سے نہ جوڑ پاتے۔ پھر دوست، رشتے دار، محلے والے سب تم جیسے بننا چاہیں گے، یوں تم جب مجسم محبت بن جاؤ گے تو لوگوں کے دلوں میں رب کریم کی محبت کا بیج بونا مشکل نہ رہے گا۔ مگر یاد رہے کہ مومن مومنوں کے لیے نرم اور دشمنانِ خدا کے لیے اللہ کا عذاب ہوتا ہے۔ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، اس لیے درست وقت پر درست فیصلہ کرتا ہے۔ قرآن روز ترجمے سے پڑھو، عشق مدھم نہ پڑنے پائے گا۔'' مولانا احتشام نے سمجھایا۔

لڑکا کھڑا ہی رہا۔ ''یعنی رفتہ رفتہ تمام قوم میرے رب کے عشق میں پاکیزہ ہوجائے گی، پھر سچے قائد بھی ابھریں گے اور ہدایت بھی براہِ راست میرے رب کی طرف سے آئے گی، پھر میدانِ بدر سجے گا اور فتح۔'' اس نے کہا۔

''ان شاءاللہ.....'' مولانا احتشام نے تائید کی۔ ''یونہی ہوگا، مگر جہاد کا مرحلہ اتنا آسان نہیں ہوتا، اور جہاد بھی یہود کے شیطانی دماغ کے خلاف..... ہمیں مستقل اللہ تبارک وتعالیٰ سے ایسا رابطہ رکھنا ہوگا کہ وہ پاک خدا ہمارا ہوجائے۔ وہ ہمارا ہوگیا تو تمام کائنات بھی ہماری ہوگی، پھر وہ مقام آسکتا ہے کہ دریائے نیل ایک اشارے سے پھٹ جائے، چاند کو انگلی کے زور سے دو ٹکڑے کیا جائے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمین پر کوڑا مارنے سے آنے والا زلزلہ رک جائے۔ پھر سائنس و ٹیکنالوجی زیر ہوگی اور عشق فاتحِ عالم ہوگا۔'' انہوں نے فرمایا۔

مولانا شمس الاسلام کے چہرے پر تردد صاف نظر آرہا تھا۔ ''حضرت! آپ انبیاء اور اولیا سا عشق عام انسانوں سے طلب کررہے ہیں، میری ادنیٰ رائے کے مطابق تو یہ ممکنات میں سے نہیں۔'' وہ بولے۔

مولانا احتشام مسکرانے لگے۔ ''محترم! عرض ہے کہ لمحے بھر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ رسالت سے اپنی توجہ ہٹاتے ہوئے غور کریں کہ وہ قربانیاں، وہ محنت، وہ تڑپ، وہ عشق، ان سب کے ساتھ کیا وہ میرے رب کے ویسے ہی محبوب نہ بن گئے ہوں گے! ہم سب پیغمبر تو نہیں، لیکن اگر نفس کو بالائے طاق رکھ کر مکمل مجسم عشق ہوجائیں، اللہ کے ہر حکم پر جان نچھاور کردیں تو کیا وہ رحمٰن رب ہمارے جذبوں کے مان نہ رکھے گا! ہم اس کے نظام کو نافذ کرنے کے لیے زندگیاں فدا کردیں تو کیا وہ لاج نہیں رکھے گا! ہوں گے معجزے، فرشتے بھی اتریں گے، نظام بھی الٹیں گے، تخت بھی گریں گے۔ میں اپنے رب سے مایوس نہیں ہوں۔'' انہوں نے فرمایا۔

مولانا شمس الاسلام نے اپنے سر کو جنبش دی۔ ''قوم سدھر جائے اور ان میں سے ایک مخلص اور قابل لیڈر طلوع ہو۔ اوّل تو یہ ایک بہت وقت طلب کام ہے جب کہ مگرمچھ امتِ مسلمہ کو نگلنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ ایک بہترین لیڈر تمام قوم کو بدل کر رکھ دے۔ اخلاق و کردار، ذہنی بلوغت اور عشقِ الٰہی اللہ کی تربیت دے، مامور من اللہ ہو، سچا ہو۔ کیا کہتے ہیں؟'' انہوں نے پوچھا۔

''اللہ کرے کہ ایسا قائد امتِ مسلمہ کو ملے۔ آج تک تو قائد کی تلاش میں دھوکے ہی کھائے ہیں۔'' مولانا احتشام بولے۔

''ابھی آپ کیا تجویز کرتے ہیں، جب دشمنانِ اسلام تلے بیٹھے ہیں، وقت کی قلت ہے۔'' مولانا شمس نے کہا۔

''اگر اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سے ناراض ہے تو ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا، اور اگر میرا رب ہم سے راضی ہے تو فکر کی کوئی بات نہیں، جانی و مالی نقصان بھی اجر کا باعث بنے گا۔'' مولانا احتشام نے کہا۔

''درست فرمایا۔ چلیے اختتامی دعا کی جانب، اللہ ہماری حامی و ناصر ہو۔'' مولانا شمس الاسلام نے کہا۔

''حضرت! جنگ جیتنے کے لیے ہمیں اچھے شعرا کی بھی ضرورت ہے، دلیر افواج، ہمت والی مائیں جو قوم کی درست سمت میں تربیت کریں، ایمان دار تاجر، بہترین معیشت دان، اللہ سے ڈر کر فیصلے کرنے والے قاضی، حرام نہ کھانے والے اور محنتی سرکاری اہل کار، ہر شعبے کے محقق اور عالم، اور سب سے بڑھ کر وہ حکمران جو غدار نہ ہوں، بکے ہوئے نہ ہوں، بہترین منصوبہ بندی کرسکیں، اور ان کا اصل مقصد اللہ کی رضا ہو۔ امت کا ہر فرد اہم ہے اور اس کو اپنا کردار ادا کرنا پڑے گا، عملی کردار۔ صرف باتیں بنانا، آپس میں لڑنا ہرگز مسئلے کا حل نہیں۔'' مولانا احتشام نے فرمایا۔

مولانا شمس الاسلام نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے: ''اے ربِ کریم! ہم تیرے عاجز و ناتواں بندے ہیں، ہمیں نادانی اور لاعلمی نے بہت برے مقام پر پہنچا دیا ہے، اب بس تیرا ہی آسرا ہے، ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ہمارے گناہوں کو معاف کردے، ہمارے دلوں میں نور بھر دے، ہمیں ریاکاری اور دھوکے بازی کے ایمان سے بچا، ہمیں انبیا و رسل جیسا ایمان عطا کر، ہمیں دنیا اور آخرت کی کامیابی عطا کر۔ اے اللہ رب العزت! ہمیں اپنے دشمنوں کے ہاتھوں رسوا نہ کر، ہمیں شیطانوں کا لقمہ نہ بنا۔ اے اللہ! ہم اس ارادے سے کھڑے ہوئے ہیں کہ دنیا میں تیرا دین نافذ کریں۔ اے اللہ! ہم مدد کے طلب گار ہیں، تیری نصرت ہمنوا ہو تو فتح دور نہیں، بے شک تُو ہی کائنات کا مالک ہے اور اوّل و آخر تیری حکمرانی قائم ہوکر رہنی ہے، ہم کو اپنی فوج میں کرنا، شیطان کا آلۂ کار نہ بننے دینا۔ اے اللہ! گزارش ہے کہ بھوک، بیماری، بے گھری اور دوسرے مصائب کو ہماری راہ کی رکاوٹ نہ بننے دینا، بے شک تُو ہر شے پر قادر ہے اور صاحبِ طاقت و عظمت ہے۔'' انہوں نے دُعا ختم کی۔

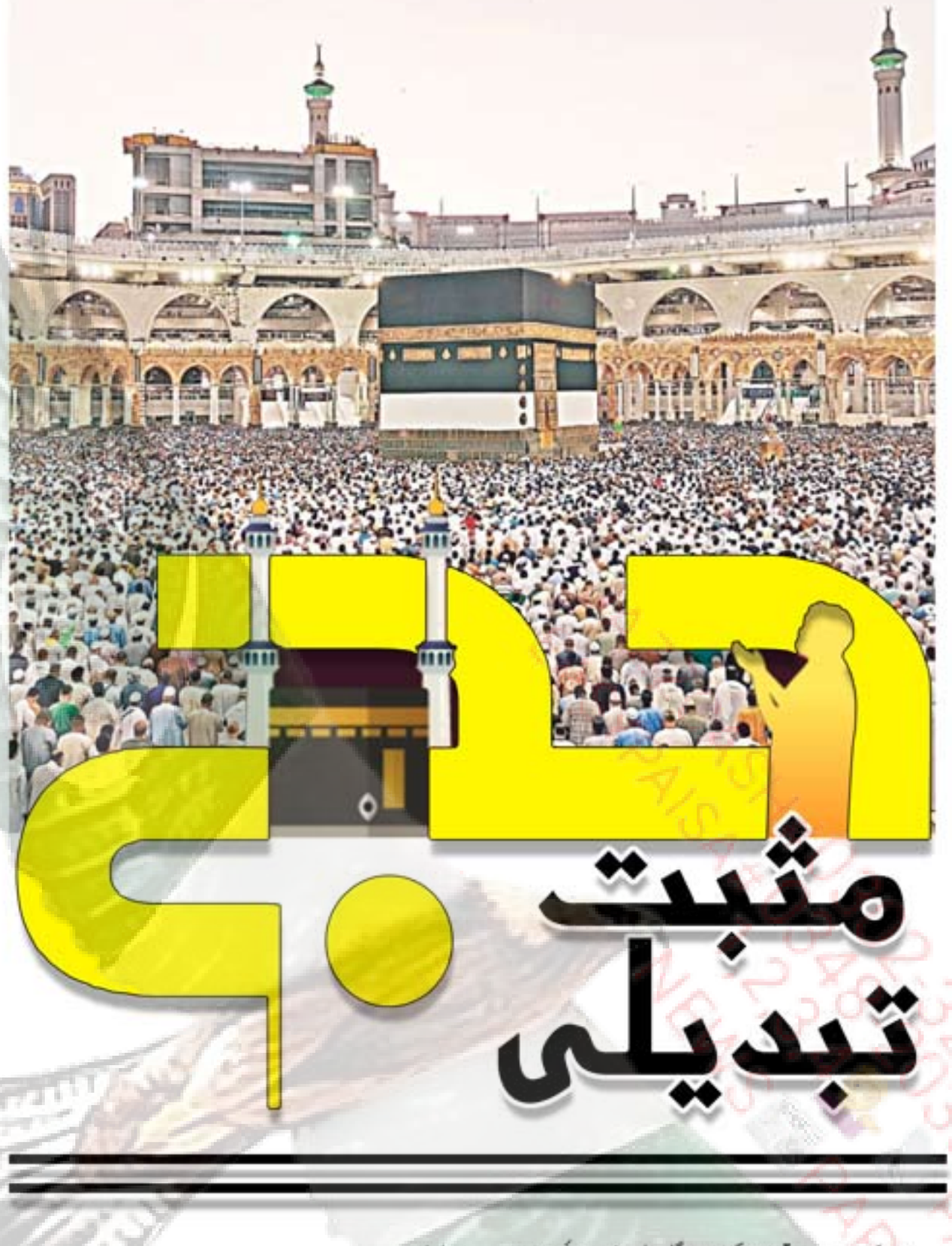

مثبت تبدیلی

ثاقب: مما عشاء کی نماز کے بعد مولانا صاحب کا لیکچر ہے آج، اس لیے مجھے آنے میں تھوڑی دیر ہو جائے گی۔

مما: اچھا ٹھیک ہے، مگر بیٹا موبائل لے کر جانا اپنے ساتھ۔

ثاقب: جی مما۔

☆.....☆.....☆

ثاقب، اقبال صاحب کا چھوٹا بیٹا تھا جو یونیورسٹی میں M.B.A کا طالب علم تھا۔ گھر کا ماحول اگرچہ بہت زیادہ دینی نہ تھا لیکن سب ہی صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ اقبال صاحب پچھلے سال ہی اپنی بیوی ریحانہ کے ساتھ حج کی سعادت بھی حاصل کر چکے تھے، ماشاء اللہ اپنا کاروبار تھا، بڑے بیٹے اور بیٹی کی شادی ہو چکی تھی۔ ثاقب اپنے دوست جاوید کے ساتھ اکثر مسجد میں مولانا صاحب کا لیکچر سننے کے لیے رک جاتا تھا۔ اقبال صاحب بیٹے کی اس بات پر مسکراتے اور کہتے: کیا تمہیں ''ملا'' بننا ہے یار.....!

☆.....☆.....☆

آج عشاء کے بعد مسجد میں ذوالحجہ کے مہینے کی مناسبت سے حج اور قربانی سے متعلق لیکچر تھا۔ مولانا صاحب اپنے پُر اثر اور دھیمے لب و لہجے میں حج اور قربانی کی فضیلت واہمیت بیان کر رہے تھے۔ لیکچر کے آخری حصے پر ثاقب چونک گیا۔ مولانا صاحب فرما رہے تھے کہ حج دراصل وہ فریضہ ہے جس کے ادا کرنے کے بعد بندے میں مثبت تبدیلی آئے۔ بندہ حج ادا کرنے کے بعد گناہوں سے یوں پاک وصاف ہو جاتا ہے گویا آج ہی پیدا ہوا ہو۔ اب وہ اپنی آئندہ زندگی میں اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کی کوشش کرے گا۔ حج کے بعد یہ مثبت تبدیلی آنا ضروری ہے۔ علمائے کرام کا بیان ہے کہ وہ حج ہی نہیں جس کے کرنے کے بعد بندے میں مثبت تبدیلی نہ آئے۔ یعنی حاجی مثبت تبدیلی کے بعد حقوق اللہ، حقوق العباد، اپنے معاملاتِ زندگی، فرائض وحقوق کی پاسداری کے لیے مضبوطی سے اللہ رب العزت کے احکامات کی تعمیل کرے گا۔ وہ ہر قدم پر سوچے گا کہ کیا میرا یہ عمل و فعل رب کے حکم کے مطابق ہے؟ کہیں میں کسی کی حق تلفی کا سبب تو نہیں بن رہا؟ کیا میں حقوق العباد میں کسی کوتاہی کا مرتکب تو نہیں؟ اس طرح وہ سنبھل سنبھل کر قدم اٹھاتا ہے۔

کل سے حاجی سرزمینِ مکہ میں مناسکِ حج میں مصروف ہو جائیں گے، ہمارے شہروں میں ہر گھر کے باہر قربانی کے جانور بندھے ہوئے ہیں۔ عیدین مسلمانوں کے لیے رب العزت کی طرف سے انعام ہیں۔ خوشی کے تہواروں میں اپنوں اور پرایوں کو شامل کریں۔ خوشیاں تو مل بانٹنے کا نام ہے، دلوں کے میل جھاڑ کر ایک دوسرے کو گلے لگانے کے دن ہیں، درگزر اور معافی کے دن ہیں۔ گھر میں تین چار بکرے قربانی کے آئیں اور پڑوسی اور کسی غریب رشتے دار کو اس سے محروم رکھیں یہ ناانصافی ہے، اس گناہ سے اپنے آپ کو بچائیں.....

☆.....☆.....☆

گھر آنے کے بعد بھی ثاقب کے ذہن میں مولانا صاحب کے الفاظ ہتھوڑے برسا رہے تھے۔ وہ بستر پر لیٹا تو کروٹیں بدلتا رہا۔ نعیم چاچو کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے آرہا تھا جن سے گزشتہ چند برس سے اس کے گھرانے نے قطع تعلق کیا ہوا تھا۔ بابا اور مما حج کر کے آئے ہیں..... بابا موقع کی مناسبت سے اپنے مال کی قیمتیں بڑھا دیتے ہیں کہ ڈالر کی قیمت بڑھ گئی ہے۔

ہم صاحبِ جائداد ہیں اور بینک بیلنس بھی ہے، اس کی مناسب سے زکوٰۃ.....اوہو.....تو میرے والدین حج کر کے آئے.....میرے دروازے پر قربانی کے چار جانور بندھے ہوئے ہیں.....کیا ہم آس پڑوس اور رشتے داروں کا صحیح حق ادا کر رہے ہیں؟ میرے والدین کا حج.....؟

مجھے بابا، مما کو بتانا ہوگا.....انہیں اس بات کا احساس دلانا ہوگا۔

نہیں، مگر اس طرح صحیح نہیں لگ رہا۔ آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی.....ہاں یہ طریقہ صحیح رہے گا۔ پھر وہ مطمئن ہو کر سو گیا۔

☆.....☆.....☆

سب گھر والے T.V لاؤنج میں بیٹھے T.V پر مناسکِ حج کی فلم دیکھ رہے تھے۔

ثاقب: مما میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اگلے سال حج ادا کرنے جاؤں گا۔ بھائی جان کیا ارادہ ہے آپ کا.....

مما: نیک ارادہ ہے، تم شادی کرلو اور اگلے سال دونوں بھائی اپنی بیویوں کے ساتھ حج ادا کرنے چلے جاؤ..... ریحان بیٹے اور ناہید کیا خیال ہے آپ دونوں کا.....

ثاقب: میں سوچ رہا ہوں کہ (سب کی طرف دیکھتے ہوئے) پہلے اپنے آپ کو سدھار لوں.....

مما: (ہنستے ہوئے) کیا مطلب، تم سدھرے ہوئے نہیں ہو؟ کیا برائی ہے تم میں.....؟

ثاقب: مما (کچھ رکتے ہوئے) حج تو وہ ہے جو آپ کے اندر مثبت تبدیلی لائے۔ لہٰذا میں ابھی سے اپنا محاسبہ کروں گا کہ مجھ میں کیا غلطیاں اور کوتاہیاں ہیں۔ مجھے کہاں اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنی ہوگی۔ اس کے لیے میں چاہتا ہوں ابھی سے مشق شروع کر دوں۔

ریحان: تو معلوم ہوا کہ صاحب بہادر کو اپنے اندر کیا مثبت تبدیلی کی ضرورت ہے؟

ثاقب: (ہنستے ہوئے) کبھی کبھار مما سے جھوٹ بول لیتا ہوں

مما ثاقب کو مصنوعی غصے سے دیکھتے ہوئے.....اچھا، واہ صاحب زادے واہ.....

ثاقب: ہاں یاد آیا، میرا کلاس فیلو (ہم جماعت) جس سے تین سال سے میں نے قطع تعلق کیا ہوا ہے، اُس نے شروع میں مجھے ایک دو مرتبہ فون کرنے کی کوشش کی، لیکن..... میں اُس سے بہت ناراض تھا.....اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ قطع تعلق یا قطع رحمی اللہ کی ناراضی کا سبب بنتے ہیں (ثاقب کی بات پر اقبال صاحب چونک گئے)۔ سب سے پہلے تو کل یہی پہلا کام کروں گا، ٹھیک ہے ناں بابا آپ کا کیا خیال ہے!

اقبال صاحب: جی جی بیٹا ضرور ضرور (اقبال صاحب بڑی حیرانی سے بیٹے کی بات سن رہے تھے)۔

☆.....☆.....☆

آج عیدالاضحیٰ کا پہلا دن تھا۔ مما اور بھابھی ناہید گوشت تقسیم کرنے کے لیے حصے الگ الگ کر رہی تھیں۔

اقبال صاحب: ان دو بکروں کا گوشت تو صحیح نکلا ہے، اب دیکھو باقی دو بکروں کا کیسا ہوتا ہے..... سامنے والے نظام صاحب کے ہاں ذرا زیادہ گوشت بھیجنا، اس مرتبہ انہوں نے قربانی نہیں کی۔

ثاقب: مما اس حصے میں تھوڑا اور ملائیں۔

مما: (حیرانی سے) کس کے لیے.....؟

ثاقب: مما میں سوچ رہا ہوں اپنے دوست عمیر کے گھر حصہ دے آؤں جس سے میں تین چار سال سے ناراض تھا۔ کل فون پر اس سے بات ہوئی، بہت خوش ہوا.....

مما: اچھا اچھا عمیر کے گھر گوشت دینے جاؤ گے، اچھی بات ہے۔

ثاقب: اچھا ایک اور بھی حصہ بنا دیں، چاچو نعیم سے بھی تو چار پانچ سال ہوئے ملاقات نہیں ہوئی، اب حج کا ارادہ کیا ہے تو اپنے اندر تبدیلی تو لے کر آؤں۔

(اقبال صاحب نے چونک کر بیٹے کو دیکھا جو انہیں بڑی سمجھداری سے ایک سبق دے رہا تھا)

ثاقب: بابا..... اگر آپ اجازت دیں تو.....

بابا: ہاں..... ہاں..... ضرور..... وہ نالائق..... میں بڑا بھائی باپ کی جگہ ہوں، کبھی پلٹ کر نہیں آیا کہ بھائی کی ناراضی دور کر دوں۔ اصولاً تو وہ چھوٹا ہونے کے ناتے میرے پاس آئے۔

ثاقب: (بابا کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے) بالکل صحیح فرمایا آپ نے..... میں چاچو سے چھوٹا ہونے کے ناتے اُن کی طرف پہلے قدم بڑھانا چاہتا ہوں، لیکن اس کے لیے آپ کی رہنمائی اور اجازت ضروری ہے۔

مما: آپ کے بابا بھی یہی چاہتے ہیں لیکن.....

☆.....☆.....☆

ثاقب جب نعیم چاچو کے گھر پہنچا تو سب گھر والوں کے چہروں پر حیرانی کے ساتھ ساتھ خوشی کے تاثرات عیاں تھے۔ چاچو نے اسے بھینچ کر گلے سے لگایا تو ثاقب کو چاچو کے لمس سے بھی بابا کی خوشبو محسوس ہوئی۔

ثاقب ان کے درمیان جلد ہی ایسے گھل مل گیا کہ درمیان کے چار پانچ سال کے قطع تعلق کے بادل چھٹ گئے، سب ہی اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگے.....

اگلے دن شام کو بعد نماز عصر دروازے پر دستک ہوئی۔ ریحان نے دروازہ کھولا تو چاچو نعیم اپنی فیملی کے ساتھ کھڑے تھے۔

یہ قیمتی لمحے تھے ان دونوں فیملیز (خاندانوں) کے لیے۔ ٹوٹے ہوئے دل جڑ گئے۔ اقبال صاحب اور نعیم دونوں بغل گیر ہوئے تو دونوں کی آنکھیں نم تھیں۔ دونوں خاندانوں کو محسوس ہوا کہ عید تو یہی ہے۔

واقعی عید کا مزا تو اپنوں کے ساتھ ہی ہے۔

بعض اوقات ہمارے چھوٹے بھی ہمیں راہ دکھاتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بچوں کی تربیت کا خیال رکھیں اور انہیں اچھے نیک لوگوں کی صحبت سے نہ روکیں۔ ثاقب نیک لوگوں کی صحبت سے ہی یہ کام کرنے کے قابل ہوا۔

●●

یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

یہ اگست 1969 کی بات ہے جب ہندو نواز اشتراکی لابی پاکستان کو ایک سیکولر ریاست بنانے کے لیے سرتوڑ کوششیں کر رہی تھی۔ ایسے میں اسلام پسندوں کی جانب سے نظام تعلیم کو اسلامی خطوط پر استعمال کرنے کا مطالبہ حکومت کے ایوانوں کو لرزا گیا۔ اسلامی نظام تعلیم کا نعرہ بلند کرنے والوں میں سے ایک شیدائی اسلام عبدالمالک نے ڈھاکہ میں منعقدہ مذاکرے میں برملا اظہار کیا کہ پاکستان کا نظام تعلیم صرف اور صرف اسلامی ہوگا۔ اس اظہار حق کی پاداش میں طالب علم عبدالمالک کو اپنی سریے مار کر شہید کر دیا گیا۔ اس واقعے کے اثرات قومی سطح پر مرتب ہوئے اور اسلام پسندوں کے دل میں سیکولرازم کے خلاف جذبہ جہاد گرم ہو گیا۔ ایسے میں ملتان ڈگری کالج برائے خواتین کی طالبہ شکورہ آفتاب نے اس بات کی ضرورت کو محسوس کیا کہ طالبات کی بھی ایسی منظم تنظیم ہونی چاہیے جو تعلیمی اداروں میں پڑھنے والی طالبات تک اسلام کا پیغام پہنچا سکے۔ اس سوچ کے تحت ایک ملک گیر تحریک کا عزم وارادہ کیا گیا۔ طالبات کو ہموار بنایا گیا اور یوں پاکستان میں طالبات کی واحد نمائندہ تنظیم اسلامی جمعیت طالبات پاکستان کا قیام عمل میں آجاتا ہے۔

21 ستمبر 1969 کو اسلامی جمعیت طالبات کا پہلا تاسیسی اجتماع منعقد کیا گیا جس میں کل 14 طالبات شریک ہوئیں۔ اجتماع کا آغاز سورۃ العصر کی تلاوت سے کیا گیا جس کے بعد شکورہ آفتاب صاحبہ نے جمعیت کے قیام کے مقاصد سے حاظرین کو آگاہ کیا۔ جمعیت کے قیام کا بنیادی مقصد طالبات کو منظم کر کے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا ہے اور طالبات میں اللہ کی اطاعت اور اتباع سنت کا جذبہ پیدا کر کے معاشرے میں مغربی تہذیب کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے موثر اقدام کرنا ہے۔

اس کے بعد حلف برداری کا مرحلہ پیش آیا۔ پانچ طالبات نے خود کو رکنیت کے لئے پیش کیا اور اللہ رب العالمین کو گواہ بنا کر یہ حلف اٹھایا کہ وہ اپنی زندگی کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں گی۔ اس کے بعد اسلامی جمعیت طالبات کے ذمہ داران کا انتخاب کیا گیا اور ناظمہ اعلیٰ محترمہ شکورہ آفتاب، معتمدہ خاص محترمہ شاہین مصطفیٰ اور معتمدہ عام سمیعہ فاطمہ کو منتخب کیا گیا۔ جمعیت کے اس تاسیسی اجتماع میں شریک ہر طالبہ نے قیام جمعیت کی ضرورت کو کس شدت سے محسوس کیا اس کا اظہار سابقہ ناظمہ اعلیٰ محترمہ ذکیہ فاطمہ کے یہ الفاظ ہیں " آج 21 ستمبر 1969 کا دن ہے، سورج اپنی تابانیوں کے ساتھ چمک رہا ہے اور خدا کے بندے ظلم واستبداد کی چکی میں پس رہے ہیں اور وہ اپنے خدا سے دور ہوتے چلے جارہے ہیں ان کے ذہنوں میں اسلام کا تصور معمولی سا رہ گیا ہے۔ ایسے میں یہ ضرورت کتنی شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ کاش ہم ان راستوں پر نہ چلتے جن پر چل رہے ہیں گروہی اختلاف بھی اتنے بڑھا بیٹھے ہیں کہ دنیا کی اصلاح اور اس کی امامت کا شرف اٹھانا ہمارے بس میں نہیں رہا ہے۔ نوجوان الگ ذلت وپستی میں گر رہے ہیں اور نوجوان لڑکیاں اپنے آپ میں مگن ہیں۔ کوئی اپنی حالت پر غور نہیں کرتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے ایسے میں آج کے دن چند اسلام پسند طالبات جمع ہوئی ہیں اور ایک جماعت تشکیل دی ہے جس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ تمام لوگ خدا کی اطاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں اپنی زندگی گزاریں۔ اس عظیم مقصد والی جماعت کا نام اسلامی جمعیت طالبات پاکستان تجویز ہوا ہے اور اس کا آغاز تعلیم البنات انٹر کالج شمس آباد کالونی ملتان سے ہوا ہے۔"

تاسیسی اجتماع کے بعد دیگر طالبات سے رابطے کا کام شروع کیا گیا اور اخبارات ورسائل کے ذریعے قیام جمعیت کی خبر ملک بھر میں دی گئی۔ صدائے حق پر لبیک کہنے کے لئے کئی پروانے جمع ہوئے اور جمعیت طالبات کے قیام کی خبر ہر باشعور طالبہ کے دل کی آواز بن گئی۔ جس طرح صحرا میں سفر کرنے والا آبادی کے آثار دیکھ کر تمام تر تھکن مصائب وآلام کو بھلا کر خوش ہو جاتا ہے اسی طرح اسلام پسند طالبات بھی جمعیت کے سائبان میں جگہ ڈھونڈنے لگیں۔

زندگی پھر رہی تھی بھٹکتی ہوئی
میری خانہ بدوشی کو گھر مل گیا

1969 میں قیام جمعیت کے ساتھ ہی دستور مرتب کیا گیا اور ابتدائی طور پر تین شعبہ جات کا قیام کیا گیا جس میں نشرواشاعت، بیت المال اور لائبریری شامل تھے۔ شعبہ جات کے قیام کے بعد جمعیت کی سرگرمیوں کی خبریں اور بیانات اخبارات میں شائع ہونے لگے۔ بیت المال کی آمدنی نہ ہونے کے برابر تھی لہذا تحریک سے منسلک افراد نے اپنی جیب خرچ سے رقوم جمع کرنا شروع کیں۔ تمام طالبات کتب خریدنے کی استطاعت نہ رکھتی تھیں اس لیے لائبریری کا نظام قائم کیا گیا۔ اس طرح محدود وسائل کے ساتھ کاموں کا آغاز ہوا۔ ابتدائی طور پر رحیم یار خان، بہاولپور، کراچی اور لیہ میں جمعیت کا آغاز ہوا۔ جنوری میں دورہ جات کا سلسلہ شروع کیا گیا اور لاہور کے مختلف کالجوں کے دورے کر کے طالبات کو جمعیت کا ہم نوا بنایا گیا اور یوں طالبات کا یہ مختصر قافلہ ایک عظیم کارواں بنتا گیا۔ سن 1970 میں مشرقی پاکستان، 71 میں جامعہ پنجاب اور 1980 میں اندرون سندھ جمعیت کے کاموں کا آغاز ہوا۔ 1987 میں جمعیت نے علاقائی زبانوں میں دعوت پیش کرنا شروع کی اور صوبائی سطح پر تربیت گاہوں کا انعقاد کیا گیا۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل
مگر لوگ ملتے گئے کارواں بنتا گیا

جمعیت شروع سے ہی نہ صرف دعوتی میدان میں پیش پیش ہیں بلکہ معاشرتی برائیوں کے خلاف جہاد بھی جاری رکھا۔ قیام کے فوری بعد جمعیت نے خواتین یونیورسٹی اور اسلامی نظام تعلیم کے مطالبات کے لیے مربوط کوششوں کا آغاز کیا۔ 1970 میں ملک گیر سطح پر ہفتہ اسلامی نظام منایا گیا۔ 1983 میں انسداد فحاشی مہم منائی گئی۔ 1992 میں جمعیت طالبات نے ملکی سطح پر بھارتی ثقافت نامنظور مہم منائی اور طالبات میں اسلامی ثقافت کا شعور بیدار کرنے کے لیے تعلیمی اداروں میں مختلف سرگرمیاں منعقد کیں۔ 1997 میں جمعیت نے حکومت پاکستان کی نئی تعلیمی پالیسی میں موجود اسلامی نظریہ پاکستان سے متصادم عوامل کا تنقیدی جائزہ لیا اور شعبہ نشرواشاعت کے تحت اس پالیسی کی اصلاح کے لیے پرزور انداز میں مہم چلائی۔ متبادل تجاویز تیار کر کے قومی اخبارات میں بھیجنے کے ساتھ ساتھ ارباب اختیار کو یادداشت بھجوائی گئی اور ان سے ملاقاتیں کی گئیں۔ اسلامی جمعیت طالبات نے خواتین یونیورسٹی کے قیام کے لئے طویل جنگ لڑی۔ 1969 سے جمعیت کی ترجیحات میں شامل یہ مطالبہ طویل جدوجہد، مہمات اور حکومتی وعدوں کے بعد بالآخر 1998 میں پورا ہوا اور راولپنڈی میں فاطمہ جناح یونیورسٹی برائے خواتین کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جمعیت طالبات کے تحت 2000 میں سہ ماہی تہذیب اسلامی پراجیکٹ منایا گیا جس میں مادیت پرستی، اسلامی اقدار کا فروغ اور عورت کے مقام ومرتبہ کے حوالے سے موضوعات طے کئے گئے اور تعلیمی اداروں میں خصوصی سرگرمیاں کروائی گئیں۔ 2012 میں تعمیر ملت کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں بڑی تعداد میں طالبات نے شرکت کی اور روشن پاکستان کی تعمیر میں اپنا حصہ ڈالنے کا عزم کیا۔ سن 2013 میں اسلامی جمعیت طالبات کے تحت اصلاح ذرائع ابلاغ مہم منائی گئی جس میں ذرائع ابلاغ کے عہدیداران اور میڈیا کے نمائندگان سے ملاقاتیں کی گئی اور خصوصی خطوط لکھے گئے اور انہیں ذرائع ابلاغ پر موجود حیاسوز مواد کو روکنے کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ 2015 میں حور مقصورات کانفرنس اور کیریئر کاؤنسلنگ فورم کا بڑی سطح پر انعقاد کیا گیا۔ 2016 میں لاہور میں یوتھ فورم اور کراچی میں ٹیلنٹ کانجسٹ منعقد کروایا گیا جس میں 2017 میں میڈیا ایفیکٹ پر خصوصی مہم منائی گئی جس کے دوران میڈیا، مختلف چینلز مالکان اور صحافی حضرات سے رابطے کیے گئے۔ ملک گیر سطح پر طالبات میں سروے کروایا گیا اور خصوصی رسالے اور پمفلٹس کا اجراء کیا گیا۔ ملک بھر میں پھیلتی بے حیائی کے خلاف جمعیت کے تحت حیا پروجیکٹس کا انعقاد بھی کیا جاتا رہا ہے اس کے ساتھ ساتھ قدرتی آفات، سیلاب اور زلزلوں میں جمعیت نے امدادی سرگرمیوں کا حصہ بنتے ہوئے خصوصی فنڈز قائم کیے اور ریلیف کمیٹیاں تشکیل دیں۔ افغانستان میں روسی جارحیت ہو یا اسرائیل کو القدس کا دارالحکومت بنائے جانے کا معاملہ، کشمیر میں بھارتی مظالم ہو یا پھر عراق پر امریکی حملہ جمعیت طالبات امت مسلمہ پر ہونے والے مظالم پر بھی بھرپور احتجاج کرتی رہی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی تنظیموں کے ساتھ بھی جمعیت طالبات کے مربوط روابط ہیں اور ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ کے تحت ہونے والی بین الاقوامی کانفرنسز میں پاکستانی طالبات کی نمائندہ تنظیم کی حیثیت سے اسلامی جمعیت طالبات شرکت کرتی رہی ہے۔ اخوان المسلمون کی خاتون رہنما محترمہ زینب الغزالی، قیمہ جماعت اسلامی ہندوستان اور ایرانی رہنما بنت آیت اللہ طالقانی اور صدیقہ رجائی کے ساتھ بھی جمعیت طالبات خصوصی نشستیں رکھ چکی ہے۔ ملکی سطح پر نوجوانوں میں کام کرنے والی مختلف اسلامی تنظیموں کے لیے جمعیت طالبات نے 2018 میں کانفرنس آف اسلامک یوتھ آرگنائزیشن کا انعقاد کیا جس میں گیارہ اسلامی تنظیموں کی نمائندگان نے شرکت کی اور نوجوانوں کے موجودہ مسائل اور درپیش چیلنجز پر گفتگو کی گئی۔

اجتماعیت سے منسلک ہونے والی طالبات کی تربیت کے لئے بھی جمعیت ایک مربوط تربیتی نظام پر کاربند ہے۔ ہر کارکن کو مطالعہ کلاسز کے ذریعے دین کا بنیادی فہم عطا کیا جاتا ہے اور کتاب سے انکا تعلق جوڑا جاتا ہے۔ مدرسات کی تیاری کے لیے 12 کلاسز پر مشتمل کارکن سازی کورس کروایا جاتا ہے۔ جمعیت کا نگران تربیت سسٹم بھی کارکنان کی تربیت کے لیے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر کارکن کی ایک نگران تربیت مقرر کی جاتی ہے جو اس کی تربیت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دوران سال کارکنان کے لیے مختلف تربیت گاہوں اور تربیتی نشستوں کا گاہے بگاہے انعقاد کیا جاتا رہتا ہے جہاں طالبات نہ صرف قرآن وحدیث کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتی ہیں بلکہ معاشرے کو درپیش مسائل اور موجودہ چیلنجز سے نمٹنے کے لیے بھی ان کی ذہن سازی کی جاتی ہے۔

طالبات کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے جمعیت پلیٹ فارم مہیا کرتی رہی ہے۔ جمعیت کے شعبے علم وادب کے تحت شہروں اور ملک گیر سطح سے مقابلہ جات کا انعقاد کیا جاتا ہے جہاں طالبات کو اپنی صلاحیتوں کے بہتر اظہار کا موقع ملتا ہے۔ رسائل کے اجراء کے ذریعے بھی تحریری صلاحیت رکھنے والی طالبات کو اپنے فکر کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔ اسلامی جمعیت طالبات کے تحت بچوں کے لئے رسالہ بزم گل شائع کیا جاتا رہا ہے جسے بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ جمعیت کے تحت طالبات کا واحد نمائندہ رسالہ پکار ملت بھی ماہانہ بنیادوں پر شائع کیا جاتا ہے جسے ملک بھر میں طالبات بے حد پسند کرتی ہیں۔ شہروں کی سطح پر جمعیت ٹیلنٹ ایوارڈ شوز، یوتھ فورمز، ادبی نشستوں اور فن فیئرز کا اہتمام بھی کرتی ہے۔

طالبات میں دینی شعور کو اجاگر کرنے کے لیے جمعیت طالبات کی سرگرمیاں پورا سال جاری رہتی ہیں۔ تعلیمی اداروں میں قرآن سرکلز، دروس قرآن اور گروپ ڈسکشن کے ذریعے دعوت دین کا کام ہوتا ہے۔ تمام بڑے شہروں میں سالانہ قرآن اسٹڈی پروجیکٹ کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں بڑی تعداد میں طالبات شرکت کرتی ہیں اور قرآن وسنت حدیث اور فقہ کی بنیادی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ طالبات کو مثبت تفریح فراہم کرنے کے لیے جمعیت تعلیمی اداروں ں میں فن فیسٹا، بک فیئرز، کارنیول اور دیگر سرگرمیوں کا انعقاد کرتی رہتی ہے۔

الغرض اسلامی جمعیت طالبات صرف ایک تنظیم ہی نہیں بلکہ طالبات کو زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کرنے کا ذریعہ ہے۔ کتنی ہی طالبات ہیں جو جمعیت کی کوششوں سے گمراہیوں کے راستے سے نکل کر صراط مستقیم پر گامزن ہوئیں۔ جمعیت نے طالبات کو فکر آخرت سے سرشار کیا ان کا تعلق خدائے واحد کے ساتھ مضبوط کیا اور یہی تعلق باللہ انہیں دنیا وآخرت میں سرخرو کرنے کا باعث ہے۔ جمعیت نے جوانی کی صلاحیتوں کو صحیح رخ دیا مقصد زندگی سے آشنا کیا باطل کی چالوں کو سمجھایا اور حق پر ڈٹے رہنے کا حوصلہ دیا۔ جمعیت پچھلے پچاس برسوں سے طالبات کے درمیان فکر وعمل کی شمع روشن کئے ہوئے ہے اور اس دعوت پر لبیک کہنے والے پروانوں میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ 14 طالبات سے شروع ہونے والا یہ قافلہ آج ہزاروں کارکنان پر مشتمل ہے جو ملک بھر میں دعوت دین کا کام جاری وساری رکھے ہوئے ہیں۔ بے حیائی اور بے راہ روی کے شکار معاشرے میں یہ طالبات نہ صرف اپنا ایمان محفوظ رکھے ہوئے ہیں بلکہ دیگر طالبات کو بھی معاشرے کی غلاظت سے نکال کر صراط مستقیم پر چلنے کے لئے رہنمائی فراہم کر رہی ہیں۔

●●

ادب آدمی کے اندر تبدیلی لانے کی کوشش کرتا ہے

وہ افسانے جن میں انقلاب کا نعرہ گونجتا ہے ہمارے اجتماعی حافظے سے نکل چکے ہیں

ترقی پسند تحریک میں اچھا تخلیقی کام ہوا

ممتاز نقاد افسانہ نگار اور شاعر مبین مرزا کی جسارت سنڈے میگزین سے گفتگو

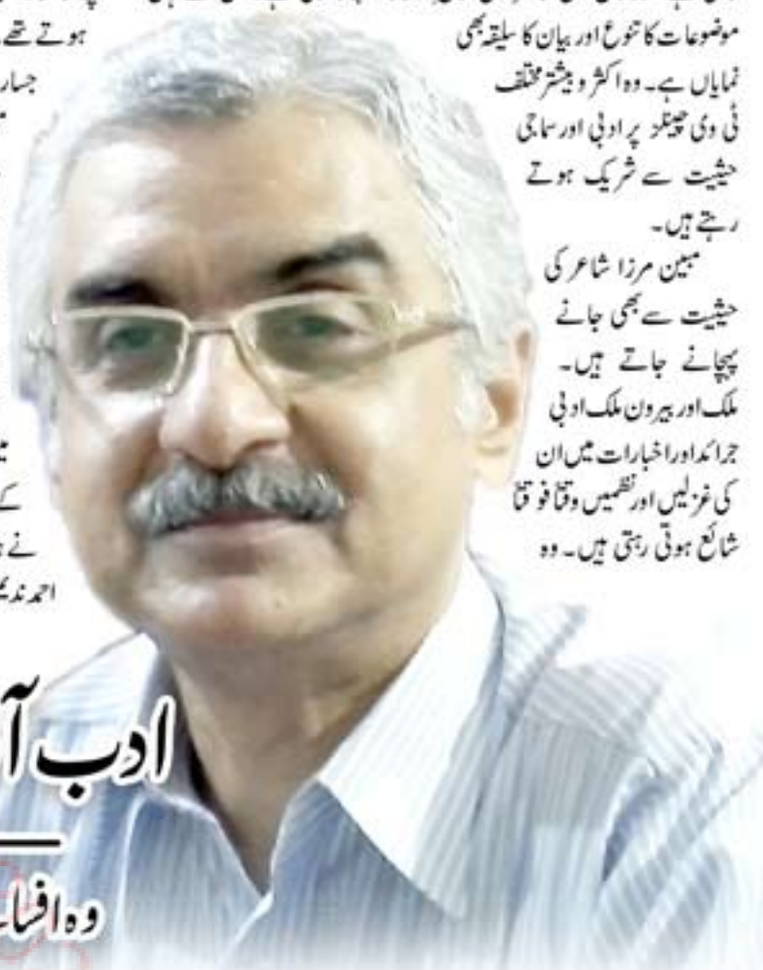

مبین مرزا ملک اور بیرون ملک کے ادبی حلقوں میں ایک معروف ادبی شخصیت کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ لگ بھگ سینتیس برس سے وہ اردو زبان وادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اُن کے افسانے بہترین افسانوں کے انتخاب میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے کئی افسانوں کی ڈرامائی تشکیل ہوچکی ہے۔

نقاد کی حیثیت سے مبین مرزا کا شمار جداگانہ شناخت رکھنے والے ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کی تنقید، فلسفے، نفسیات، تاریخ اور جدید تھیوریز سے براہ راست سروکار رکھتی ہے، اور وسیع علمی تناظر میں نتائج فکر کا اظہار کرتی ہے۔ ان کے ہاں موضوعات کا تنوع اور بیان کا سلیقہ بھی نمایاں ہے۔ وہ اکثر و بیشتر مختلف ٹی وی چینلز پر ادبی اور سماجی حیثیت سے شریک ہوتے رہتے ہیں۔

مبین مرزا شاعر کی حیثیت سے بھی جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ملک اور بیرون ملک ادبی جرائد اور اخبارات میں ان کی غزلیں اور نظمیں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہیں۔ وہ طویل عرصے سے کانفرنسز اور سیمینارز میں بھی شریک ہورہے ہیں اور متعدد ممالک میں پاکستان کی ادبی اور ثقافتی تقریبات میں نمائندگی کرچکے ہیں۔ ایک روزنامے میں مستقل کالم بھی لکھ رہے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی وہ ایک ادبی جریدے مکالمے کے مدیر بھی ہیں۔ مبین مرزا ملک کے ایک معروف اشاعتی ادارے ''اکادمی بازیافت'' کے سربراہ بھی ہیں۔ اور اکادمی ادبیات پاکستان کے بورڈ آف گورنرز کے رکن بھی ہیں۔ ان کی جو کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں ان میں خوف کے آسمان تلے (افسانے)، سعادت حسن منٹو، شخص وفن (تنقید)، اردو کے بہترین شخصی خاکے (مرتبہ)، منٹو منتخب مضامین (مرتبہ)، تابانی (شاعری) اور زمینیں اور زمانے (افسانے) شامل ہیں۔ آیئے ان کی گئی گفتگو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

جسارت میگزین: آپ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی۔

مبین مرزا: میری پیدائش ۵ جنوری ۱۹۶۵ء کو ملتان میں ہوئی۔

جسارت میگزین: ہمارے قارئین کی دلچسپی کے لیے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام اور ادب سے وابستگی کے بارے میں کچھ مختصراً بتایئے۔

مبین مرزا: ہمارے گھر میں ہم سے پہلے والی نسل میں شعر کہنے یا نثر لکھنے والے لوگ تو نہیں تھے۔ البتہ گھر میں کتابوں سے دلچسپی کا ماحول پہلے سے موجود تھا۔ میرے ماں باپ دونوں کو کتابیں اور رسائل پڑھنے سے دلچسپی تھی۔ ہمارے گھر کئی ڈائجسٹ و رسائل باقاعدہ آیا کرتے تھے۔ دیگر رسائل اور جرائد کے ساتھ ساتھ شورش کاشمیری کا رسالہ چٹان بھی آیا کرتا تھا۔ ہمارے لیے بچوں کے رسالے بھی گھر میں آنے لگے، بچوں کی دنیا، نونہال، تعلیم و تربیت وغیرہ۔ اس طرح ایک ادبی ماحول کے باعث اور کچھ صلاحیتیں من جانب اللہ ہوں تو پھر آدمی چل نکلتا ہے۔ اس طرح ادب سے دلچسپی بڑھتی چلی گئی۔ جبکہ میرے مضامین سائنس کے تھے۔ جیسا کہ اس زمانے میں عام طور پر زمانے کی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا۔ پھر ماسٹر کے لیے انگریزی ادب پڑھا اور پولیٹیکل سائنس پڑھی۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو ادب پڑھنا اور لکھنا ایک ذاتی شوق تھا۔ کیونکہ ایسی کوئی خواہش نہیں تھی کہ کسی تدریسی شعبے یا اخبار و رسالے میں جانے کا ارادہ ہو۔

جسارت میگزین: آپ نے اپنی تعلیم کہاں مکمل کی۔

مبین مرزا: گریجویشن تک تو ہم ملتان میں رہے۔ اس کے بعد ایم اے انگریزی کے لیے لاہور کے ایف سی کالج میں داخلہ لیا۔ جہاں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ جیلانی کامران تھے۔ اس کے بعد کراچی آکر ایم اے پولیٹکل سائنس کا امتحان دیا۔

جسارت میگزین: شاعری کی ابتداء آپ نے کہاں سے کی۔

مبین مرزا: ملتان میں ہم شعر کہنے لگے تھے اور باقاعدہ ملتان اور قرب و جوار کے کئی شہروں میں مشاعروں میں جانے لگے تھے اور اکثر مشاعروں میں فیض صاحب اور قاسمی صاحب کے ساتھ بھی کلام پڑھا۔

جسارت میگزین: سب سے پہلا مشاعرہ کس عمر میں پڑھا۔

مبین مرزا: یہ غالباً ۱۹۸۱ء یا ۱۹۸۲ء کی بات تھی۔ جب کبیر والا میں مشاعرہ پڑھا تھا۔ اس زمانے میں ظہیر کاشمیری، اقبال ساجد وغیرہ مشاعروں کی جان ہوتے تھے۔

جسارت میگزین: نثر کی ابتداء کیسے ہوئی۔

مبین مرزا: شاعری کے ساتھ ساتھ ہم نثر بھی لکھنے لگے تھے۔ لیکن شاعری کے مقابلے میں نثر کم لکھتے تھے۔

جسارت میگزین: آپ کے حلقہ ، احباب میں کون سے شعراء یا ادیب تھے۔

مبین مرزا: ہمارے احباب میں اطہر ناسخ، اختر شمار صاحب، عباس تابش صاحب، یہ احباب ہم سے سینئر تھے۔ اس کے علاوہ شفیق آصف صاحب۔ دیگر سینئر احباب جن سے سیکھنے کا موقع ملا ان میں عرش صدیقی صاحب، ڈاکٹر اسلم انصاری صاحب۔ شاعری کے سلسلے میں ہم بیدل حیدری صاحب کے پاس جاتے رہے۔ انھوں نے ہماری شاعری دیکھی اور کچھ اصلاح بھی کی۔ لاہور آتا جاتا رہتا تھا تو احمد ندیم قاسمی صاحب خاص شفقت کرتے تھے۔ وزیر آغا صاحب سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ گو ملاقاتیں کم رہیں، لیکن خطوط کے ذریعہ رابطہ رہتا تھا۔ اس زمانے میں نقوش کے بعد دو ادبی پرچے بہت بڑے مانے جاتے تھے جن میں قاسمی صاحب کا فنون اور وزیر آغا صاحب کا اوراق شامل ہے۔ ان دونوں رسائل میں چھپنا اس بات کی دلیل تھا کہ آپ ادب کی دنیا میں اعتبار پانے لگے ہیں۔ میری دو غزلیں اور پہلا تنقیدی مضمون جو کہ اسلم انصاری صاحب کی شاعری پر تھا، فنون میں شائع ہوا۔ اور پہلا افسانہ اوراق میں وزیر آغا صاحب کے ہاں شائع ہوا۔

جسارت میگزین: آپ ملتان سے ہجرت کرکے کراچی آگئے۔ آپ نے کراچی کے ادبی ماحول کو کیسا پایا اور کن احباب سے ملاقاتیں رہیں۔

مبین مرزا: شروع میں کراچی میں ہمارا کچھ خاموشی کا زمانہ تھا جس کے کچھ اسباب تھے۔ ایک بددلی کی کیفیت سے دوچار رہے۔ اور خیال یہ تھا کہ حالات ٹھیک ہوجانے پر واپس لاہور چلے جائیں گے۔ لیکن واپس جانا نہیں ہوسکا۔ کراچی میں جمال پانی پتی اور مشفق خواجہ سے ملاقات رہی۔ دونوں سینئر احباب کے ہاں جانے کا سلسلہ رہا۔ دونوں ہی انتہائی خلیق اور محبت کرنے والے تھے۔ میری ذہن سازی اور مزاج کی تشکیل میں ان لوگوں نے کردار ادا کیا۔ ان کے ساتھ ساتھ دیگر سینئر احباب جیسے جالبی صاحب، سحر انصاری، پیرزادہ قاسم، قمر جمیل اور جمیل الدین عالی سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ بالکل ابتدائی دنوں میں ہمارے دوست اجمل سراج کو کہیں سے معلوم ہوا کہ ہم کراچی آگئے ہیں۔ لاہور میں ان سے ایک آدھ ملاقات ہوئی تھی۔ ان دنوں اجمل سراج ایک بہت ہی پرجوش، فعال اور شاعرانہ مزاج کے آدمی تھے۔ انھوں نے ہمیں کراچی میں ڈھونڈ لیا اور ہماری بیٹھکیں ہونے لگیں۔ اس دوران دیگر دوستوں سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔

جسارت میگزین: ادارت بھی ایک کل وقتی کام ہے۔ آپ بطور مدیر مکالمہ شائع کررہے ہیں۔ اس بارے میں کچھ بتایئے۔

مبین مرزا: جب بائیس تیئس سال قبل ہم نے جب مکالمہ کا آغاز کیا تو اس وقت کچھ دوست بھی ساتھ تھے۔ اور مقصد یہ تھا کہ ہمارے عہد میں جو ادب لکھا جارہا ہے، اس کا مطالعہ کیا جائے اور اس کے بارے میں رائے قائم کی جائے۔ اس زمانے میں یہ گفتگو چل رہی تھی کہ کیا ہمارا ادب روبہ زوال ہے، ہمارا ادب پڑھا نہیں جارہا یا لوگوں کی توجہ نہیں ہے۔ ادب غیر ضروری سمجھا جارہا ہے۔ اس طرح کی کچھ گفتگو تھی۔ اس زمانے میں اتفاق سے مظفر علی سید تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان سے نیاز حاصل تھی۔ جو کہ پڑھے لکھے اور عالم آدمی تھے۔ ان سے جب ادب کے روبہ زوال ہونے کے سلسلے میں بات کی تو انھوں نے اس بات سے زیادہ اتفاق نہیں کیا۔ پھر اتفاق سے انتظار صاحب یہاں آئے ہوئے تھے تو ان کے سامنے بھی ہم نے یہ مسئلہ رکھا۔ انھوں نے بالکل برعکس بات کہی۔ انھوں نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ادب میں تو اب کچھ نہیں ہورہا۔ اور وہ جو ادب کا زمانہ تھا وہ لد گیا۔ یعنی ادب کے دو بڑے لوگوں سے بات ہوئی، اس کے علاوہ اور لوگوں سے بھی بات ہوئی۔ تو اس بارے میں قطعی متضاد خیالات سامنے آئے۔ پھر ہم دوستوں نے سوچا کہ کیوں نہ کوئی پرچہ مرتب کیا جائے۔ تاکہ اس میں تازہ تخلیقات شامل ہوں اور یہ پرچہ اپنے عہد کی ایک دستاویز بن جائے۔ وہ ہمارا جوانی، جوش اور اپنے بارے میں خوش گمانی کا زمانہ تھا۔ اس طرح مکالمہ کا آغاز ہوگیا۔ دوست تو دوسرے پرچے سے الگ ہوگئے۔ اور مکالمہ کی ساری ذمہ داری ہم پر آگئی۔ لیکن ہم نے مکالمہ جاری رکھا۔ شروع میں تو یہ ہوا کہ آٹھ دس مہینے میں ایک پرچہ آتا تھا۔ لیکن بند نہیں ہوا۔ نہ ہی یہ خیال آیا کہ اسے بند کردینا چاہیے۔ کیونکہ مکالمہ سے بالکل اپنے بچوں جیسی محبت ہوگئی تھی۔ ہم یہ اعتراف بھی سچائی کے ساتھ کرتے ہیں کہ مکالمہ کبھی بھی ہمارے لیے پریشانی کا باعث نہیں بنا۔ جیسا کہ عموماً پڑھتے ہیں کہ مدیروں کے لیے یہ ایک بڑا مسئلہ رہتا ہے کہ اچھا مواد بہت مشکل سے ملتا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں ہمارا کبھی بھی مسئلہ نہیں رہا۔ اور مکالمہ کی ترسیل ہندوستان کے علاوہ امریکہ کینیڈا سعودی عرب اور دیگر یورپی ممالک میں باہتمام رہتی ہے۔

جسارت میگزین: اب مکالمہ کی اشاعت کس طرح ہے۔

مبین مرزا: بیس بائیس پرچوں کے بعد تقریباً دو سال قبل ہم نے فیصلہ کیا کہ پرچہ کو باقاعدہ ماہانہ شائع کیا جائے۔ تاکہ ادب کے تازہ مسائل اور عصری صورتحال میں پیدا ہونے والے سوالات سے اپنے تعلق کا اظہار کرے اور ادیبوں کے خیالات اور ردعمل کو سامنے لاسکے۔ کیونکہ آٹھ دس مہینے میں شائع ہونے کے باعث ادبی سوالات پرانے ہوجاتے ہیں۔ اور اس کے بارے میں وہ شدت بھی باقی نہیں رہتی۔ ہمیشہ اپنے زمانے کے اچھے لکھنے والوں کا تعاون مکالمہ کو حاصل رہا، اس لیے پرچے کے لیے مواد کا کبھی کوئی مسئلہ مکالمہ کو نہیں رہا۔ ہندوستان میں قرۃ العین حیدر، شمس الرحمان فاروقی، شمیم حنفی، گوپی چند نارنگ، قاضی افضال حسین، ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی جیسی قدآور شخصیات سے لے کر بعد کے لوگوں تک، اور پاکستان میں بھی ڈاکٹر جمیل جالبی، انتظار حسین، جمیل الدین عالی، پروفیسر فتح محمد ملک، جیسے سینئر لوگوں سے لے کر اپنے زمانے کے لوگوں تک، مکالمے کو مواد کا مسئلہ کبھی پیش نہیں آیا۔ اب سال میں کم و بیش نو یا دس شمارے شائع ہوجاتے ہیں۔

جسارت میگزین: شاعری کے متعلق آپ کے کیا خیالات ہیں۔ ادبی تحریکوں سے شاعری کو کیا فائدہ یا نقصان پہنچا۔

مبین مرزا: یقیناً یہ وقت ایسا ہے کہ ہمیں حقیقتاً ایسے سوالوں پر غور کرنا چاہیے۔ اور ہم اپنے زمانے کو پیچھے پلٹ کر دیکھیں تو شاید اس کے بارے میں نسبتاً کوئی بہتر رائے دے سکیں۔ کیوں کہ ان تحریکوں کا زمانہ اب گزر چکا ہے۔ کیوں کہ آج ہم جس زمانے میں ہیں اول تو آج کوئی ایسی تحریک آپ کو ملے گی نہیں، اور جدیدیت یا مابعد جدیدیت آپ جسے کہہ سکتے ہیں وہ تحریک کی صورت کبھی نہیں آسکتی۔ انھیں آپ رویہ یا نظریہ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس کی نظریاتی حیثیت بھی ایسی نظر نہیں آتی جیسی اس سے پہلے ہم دیکھتے رہے ہیں۔ آپ سب سے پہلی تحریک سرسید کی تحریک کو کہہ سکتے ہیں جو آپ کے تہذیبی مزاج پر اثر انداز ہوکر کچھ نئے نشانات، نئے مسائل اور کچھ نئے سوالات کو فوکس کیا اور ان کے بارے میں آواز اٹھائی۔ اس کے اثرات بھی آپ اپنے معاشرے اور تہذیب میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد آپ اگر اپنے تمام اختلافات کے باوجود کسی تحریک کا ذکر کرسکتے ہیں تو وہ ترقی پسند تحریک ہے۔ لیکن جہاں تک ادب کا معاملہ ہے تو کہنا چاہیے کہ یہ ایک پیچیدہ چیز ہے۔ ادب پر اثرات نہ ہی براہ راست اس طرح ہوسکتے ہیں اور نہ ہی ان اثرات کا ہم بہت قطعیت کے ساتھ دو جمع دو کا اصول استعمال کرکے جائزہ لے سکتے ہیں۔ اس میں بہت موضوعاتی اور انقلابی شاعری ہوئی۔ دو پٹے کو پرچم بنانے کی خواہش، ادب کے ذریعہ معاشرے میں انقلاب لانے کی خواہش اس میں موجود تھی۔ معاشرے کی تہذیب انسانی رویوں کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ تو کیا یہاں واقعی دو پٹہ پرچم بن سکتا تھا یا نہیں، یہ سوال بہت اہم ہے اور ہم آج یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایسا اس معاشرے میں نہیں ہوسکتا اور نہیں ہوا۔ اب سوال یہ رہ گیا کہ ادب کے ذریعہ معاشرے میں انقلاب لایا جائے، تو یہ خود ایک بڑا سوال ہے، اس سلسلے میں آپ اپنے معاشرے کے ساتھ ساتھ دنیا کے دوسرے معاشروں کو بھی پیش نظر رکھیں اور یہ دیکھیں کہ کون سے معاشروں میں ادب نے کامیابی کی منزل تک پہنچ کے انقلاب لانے کا سفر پورا کیا۔ ہمیں دنیا میں کوئی معاشرہ نظر نہیں آتا جس نے انقلاب لانے یا انقلاب کی منزل طے کرنے میں کامیابی حاصل کی ہو۔ یہاں تک رشیا میں جہاں سے یہ تحریک شروع ہوئی، وہاں پر اپنے زمانے کی بات تو کی جاتی ہے، لیکن ادب کا کوئی معمولی حصہ بھی ایسا نہیں نظر آتا جو ان بنیادی سوالات کا حامل ہو۔ میکسم گورکی کی ماں کو ہم گن سکتے ہیں۔ لیکن کیا وار اینڈ پیس کو بھی اس ادب میں شامل کریں گے۔ جو اس سے کہیں زیادہ بڑا ناول ہے۔ کیا برادرز کرمزوف کو بھی آپ انقلابی ادب کا حصہ بنائیں گے جو اس سے کہیں بڑا ناول ہے، اور جس کی ادبی منزلت اب تک قائم ہے۔ پھر آپ بالزاک کا میڈم باوری دیکھیں۔ کیا اس ناول نے انقلاب فرانس میں کوئی کردار ادا کیا۔ کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ادب کا یہ کردار ہی نہیں ہے، ہم ادب پر وہ ذمہ داری یا بوجھ لادنے کی کوشش کررہے ہیں جو اصل میں اس کے لیے ہے ہی نہیں۔ ادب تو آدمی کے اندر تبدیلی لانے کی کوشش کرتا ہے، اور یہ تبدیلی بڑے غیر محسوس طریقے سے ہوتی ہے اور بہت آہستہ رو ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ آپ نے رات کو ایک شعر پڑھا تھا، غزل پڑھی تھی، نظم پڑھی تھی، دیوان پڑھا تھا، ایک ناول پڑھا تھا اور صبح جب آپ اٹھے تو آپ ایک دوسرے آدمی تھے اور آپ انقلاب لانے کے لیے چل نکلے۔ ایسا نہیں ہوتا۔ ادب تو رویوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ادب تجربے کی جمالیاتی تشکیل کرتا ہے۔ اعتراضات کے باوجود ترقی پسند تحریک میں اچھا تخلیقی کام ہوا ہے۔ لیکن وہ اچھا کام اس تحریک کے بغیر بھی وجود میں آسکتا تھا۔ جیسے مثال کے طور پر فیض صاحب کا شعر سنیے جو کہ ایوب خان کے جبر کے زمانے کا ہے'' نہ سوال وصل نہ عرض غم نہ حکایتیں نہ شکایتیں ؍؍ ترے عہد میں دل زار کے سبھی اختیار چلے گئے'' اب آپ اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے جب ذکر کریں گے کہ یہ ایوب خان کا زمانہ ہے تو وہ منظر آپ کے سامنے آجائے گا۔ مستقل نوعیت کے افکار، جو انسان کے شعور پر اس کی بنیادی لہر پر اثر انداز ہوتے ہیں، ادب کا سروکار ان سے ہے۔ اور یہی چیزیں ادب میں اپنی جگہیں بناتی ہیں۔ اور زمانے کے لگائے ہوئے پیرئیرز کو پاس کرتے ہوئے آگے نکلتی ہیں۔ اور زندہ رہتی ہیں۔

جسارت میگزین: ترقی پسند تحریک کے دوران لکھے گئے افسانوں کے متعلق آپ کے کیا خیالات ہیں۔

مبین مرزا: وہ افسانے جن میں انقلاب لانے کی خواہش یا انقلاب لانے کا نعرہ زیادہ گونجتا ہے، وہ افسانے تو ہمارے اجتماعی حافظے سے نکل چکے ہیں۔ لے دے کے آپ ان افسانہ نگاروں کے بارے میں بات کرتے ہیں، جن کا کام اس سے پہلے کا ہے مثلاً منشی پریم چند، جن کا سارا کنٹریبوشن ترقی پسند تحریک سے پہلے کا ہے۔ حالانکہ وہ پہلے اجلاس کی صدارت کررہے ہیں۔ اب دیکھیے آج کرشن چندر یا بیدی کے کون سے افسانوں کا زیادہ ذکر ہورہا ہے، جبکہ منٹو تو خود ترقی پسند تحریک کے نقادوں میں تھے۔ ان ادیبوں کے ان افسانوں کا زیادہ ذکر ہوتا ہے جن میں ترقی پسند تحریک زیر اثر لکھے گئے افسانوں کے مقابلے میں مزاحمتی ادب کا ذکر ہوتا ہے۔ جو کسی نہ کسی سطح پر ایسی بنیادی چیزوں سے جڑ جاتا ہے جو ادبی نوعیت کی ہیں اس میں اتفاقاً ایک جہت پیدا ہوتی ہے وہ کسی نظریاتی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے اپنے عہد کے کسی ردعمل کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن اس کا بنیادی سروکار انسانی معاملات سے ہے۔

●●

ڈاکٹر نثار احمد نثار
nisar.akhbaradab@gmail.com
jasaratsundaymag@gmail.com

عقیل دانش اور فرحت عباس شاہ کے اعزاز میں بزم شعر وسخن کا مشاعرہ

ایک زمانہ تھا جب کراچی میں سیاسی' سماجی اور ادبی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں' ساری ساری رات پروگرام ہوتے تھے یعنی کراچی ساری رات جاگتا تھا پھر یہ ہوا کہ امن وامان کی صورت حال خراب ہونے لگی' کراچی لہو رنگ ہوگیا جس کی وجہ سے زندگی کے تمام ادارے مفلوج ہوگئے' خدا کا شکر ہے کہ اب کراچی میں سماجی اور ادبی سرگرمیاں بحال ہورہی ہیں جہاں تک ادبی تقریبات کا معاملہ ہے تو کراچی میں بہت سی قابل ذکر تنظیمیں مذاکرے' مشاعرے اور تنقیدی نشستوں کا اہتمام کررہی ہیں' کراچی میں ایک ہی وقت میں کئی کئی ادبی پروگرام چل رہے ہوتے ہیں۔ راقم الحروف نثار احمد بھی ان پروگرام میں شریک ہوتا رہتا ہے' میں نے یہ دیکھا ہے کہ اکثر مشاعروں سے سامعین غائب ہوگئے ہیں۔ شعرا ہی سامعین ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کو کلام سناتے ہیں تقدیم وتاخیر کے مسائل پر خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ میں ایسے چند شعرا کو جانتا ہوں کہ جو مشاعرے میں بدمزگی پیدا کرتے ہیں۔ کراچی کی فعال ادبی تنظیموں میں بزم شعر وسخن بھی شامل ہے جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ کچھ علم دوست افراد نے شہر کے ممتاز تاجر اور ادبی شخصیت طارق جمیل کی قیادت میں تین برس قبل یہ تنظیم قائم کی تھی جس کے اراکین وعہدیداران میں تاجر' ڈاکٹرز' انجینئرز' صحافیوں اور زندگی کے مختلف شعبوں کے افراد شامل ہیں۔ یہ ادبی تنظیم اب تک کئی عالی شان پروگرام کرچکی ہے ان کے ہر پروگرام میں سامعین کی خاصی تعداد موجود ہوتی ہے جو ہر شاعر کو توجہ سے سنتی ہے اور بھرپور تعداد وتحسین سے نوازتے ہیں اس کے علاوہ یہ تنظیم شعرا کی کتابیں خرید کر ان کی مالی معاونت بھی کررہی ہے۔ اس کے جنرل سیکرٹری خالد میر شاعر ہیں اور قلم کاروں کی حوصلہ افزائی میں اپنے صدر طارق جمیل کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ اس تنظیم کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہ لوگ کراچی یا بیرون پاکستان سے آنے والے قلم کاروں کے لیے تقاریب سجاتے ہیں اسی تناظر میں گزشتہ ہفتے انہوں نے لاہور سے تشریف لائے ہوئے شاعر وادیب فرحد عباس شاہ اور لندن سے تشریف لائے ہوئے شاعر وصحافی عقیل دانش کے اعزاز میں مشاعرہ ترتیب دیا جس کی صدارت محسن اعظم ملیح آبادی نے کی۔ رونق حیات اور راشد نور مہمانان خصوصی اور فیاض علی فیاض مہمان اعزازی تھے۔ شیڈول کے مطابق طارق جمیل کی رہائش گاہ پر منعقدہ مشاعرے میں 9 بجے شب طعام کا اہتمام کیا گیا اور 9:45 پر مشاعرے کا آغاز ہوا۔ عبید ہاشمی نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ تلاوت کلام مجید کی سعادت م۔ص۔ ایمن نے حاصل کی۔ اس موقع پر صاحب صدر' مہمان خصوصی اور مہمان اعزازی کے علاوہ جن شعرا نے اپنا اپنا کلام نذر سامعین کیا ان میں سخاوت علی نادر' شاعر علی شاعر' سعدالدین سعد' عبدالمجید محور' خالد میر' تنویر سخن' وسیم احمد' احمد سعید خان' واحد رازی' اقبال برما' نورالدین نور' چاند علی چاند' شائق شہاب' سلمان ثروت اور احسن طارق شامل تھے۔ بزم شعر وسخن کے صدر طارق جمیل نے خطبۂ استقبالیہ میں کہا کہ وہ اپنی تنظیم کے پلیٹ فارم کے ذریعے نوجوان نسل اور معاشرے کے تمام طبقات کو اردو زبان وادب اور مشرقی رویات سے جوڑنے کے لیے مشاعروں کی روایات کو عالمی سطح پر زندہ کریں گے۔ ہماری تنظیم کے منشور میں کتب بینی کے ادارے کا فروغ اور فنون لطیفہ کے سب سے مضبوط رکن شاعری کی ترویج وترقی شامل ہے۔ ہم اپنی مدد آپ کے تحت ایک تسلسل کے ساتھ ادبی پروگرام کرا رہے ہیں جس سے ہم شعرا کو بدل بدل کر مدعو کرتے ہیں تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور تمام شعرا ہماری تنظیم سے فیض یاب ہوں۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس وقت پاکستان بے شمار مسائل کا شکار ہے' ہمارے دشمن ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں' اس وقت سب سے اہم مسئلہ کشمیر ہے جہاں بھارت زبردستی قبضہ جمارہا ہے جب کہ جموں وکشمیر کا فیصلہ وہ تنگ کے ذریعے ہونا ہے کشمیر پر رائے شماری کی قرارداد اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر موجود ہے لیکن بھارت نے بین الاقوامی قوانین کی دھجیاں بکھیر دی ہیں مقبوضہ کشمیر میں کرفیو کا نفاذ ہے جس کے باعث انسانی زندگی بے شمار مصائب وآلام میں مبتلا ہے۔ کشمیریوں کو خون میں نہلایا جارہا ہے اس موقع پر تمام پاکستانی قوم کشمیری بھائیوں کے ساتھ ہے تاہم قلم کاروں کا فرض ہے کہ وہ قلمی جہاد کریں اور کشمیریوں کی حمایت میں اشعار لکھیں۔ صاحب صدر محسن اعظم ملیح آبادی نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ کراچی میں ادبی سرگرمیوں کی بحالی نیک فال ہے اس میں جو لوگ اپنا حصہ ڈال رہے ہیں وہ قابل مبارک باد ہیں۔ انہوں نے بزم شعر وسخن کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ تنظیم پڑھے لکھے اور سخن پرور شخصیات پر مشتمل ہے امید ہے کہ لوگ بہت ترقی کریں گے۔ اس موقع پر بزم نگار ادب کے ایک وفد نے فرحت عباس شاہ اور عقیل دانش کو اجرک کا تحفہ پیش کیا جب کہ بزم شعر وسخن کی جانب سے دونوں مہمانان خصوصی کو شیلڈز پیش کی گئیں اور محسن اعظم ملیح کی خدمت میں جناح کیپ پیش کی گئی۔ مشاعرے میں سامعین نے اپنی سخن پروری کا بھرپور مظاہرہ کیا اور کسی بھی موقع پر مشاعرے کا ٹمپو ٹوٹنے نہیں دیا۔

اکیڈمی ادبیات کے زیر اہتمام یوم یکجہتی کشمیر مذاکرہ وریلی

اکیڈمی ادبیات پاکستان کراچی زیر اہتمام یوم یکجہتی کشمیر کے حوالے سے نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں ملک کے معروف دانش ور' شاعر اور اہل قلم نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ صدارتی ایوارڈ یافتہ پروفیسر سحر انصاری نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بھارتی انتہا پسند اور وحشی قیادت مقبوضہ کشمیر میں عفت مآب کشمیری بچیوں اور خواتین سے جبری شادی رچانے' ان کی عزتیں پامال کرنے کے مکروہ عزائم کا برملا اظہار کرچکی ہیں جیسا کہ نازیوں نے ہٹلر کے دور میں ایسے ہی گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کیا۔ یوم یکجہتی کشمیر کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پاکستان اور کشمیر لازم وملزوم ہیں' ایک قلب دو جان کی حیثیت رکھتے ہیں اب وقت آگیا ہے کہ چین' روس' ترکی' ایران اور دیگر ممالک خصوصاً مڈل ایسٹ اور سینٹرل ایشیا کے ممالک مشترکہ بنیادوں پر مسئلہ کشمیر میں اپنی ثالثی کا کردار ادا کریں۔ سندھ اسمبلی کی سابق ڈپٹی اسپیکر راحیلہ ٹوانہ نے کہا کہ کشمیر پاکستان کی پہلی دفاعی لائن ہے' یہاں پر پسپائی پورے ملک میں پسپائی کے مترادف ہے۔ اہل کشمیر پر ایسا وقت شاید اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔ کشمیر میں پلوامہ طرز کا واقعہ رونما ہوسکتا ہے جس کی بنیاد پر بھارت پاکستان کے خلاف جنگ شروع کرسکتا ہے جس کا جواب ہمیں ہر حال میں دینا پڑے گا۔ اب اٹھنے کا وقت ہے اور پاکستان کے اہل قلم کشمیریوں کے ساتھ کھڑے ہیں اور کشمیریوں کے ساتھ درست سمت میں کھڑے ہوکر تاریخ کا دھارا موڑیں گے۔ سردار جاوید نے کہا کہ ہم بھارت کو خبردار کرتے ہیں کہ موجودہ حالات میں ہماری امن پسندی کو ہماری کمزوری نہ سمجھے' کشمیر ہمارے اور ہم کشمیر کے ہے' کشمیریوں کا دکھ ہمارا دکھ ہے اور ان کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو ہمارے دل پر گرتے ہیں۔ آج ہم سب مل کر یہ عہد کرتے ہیں کہ تمام باہمی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر پاکستان کے سچے خدمت گار بنیں گے۔ یہ مجلس مذاکرہ ہندستان کے کشمیریوں پر ظلم وتشدد کا شدید مذمت کرتا ہے اور نعرۂ حق بلند کرتا ہے کہ ''کشمیر بنے گا پاکستان۔'' اس موقع پر معروف شعرا نے اپنی شاعری کے ذریعے کشمیری عوام کو خراج تحسین پیش کیا۔ بعدازاں کشمیری بھائیوں سے اظہار یکجہتی کرتے ہوئے پاکستان اکیڈمی ادبیات کے آفس سے ریلی نکالی گئی جس میں بڑی تعداد میں ادیب' شاعر' دانش ور اور سول سوسائٹی کے افراد نے شرکت کی۔ شرکاء نے کشمیر بنے گا پاکستان کا فلک شگاف نعرہ لگایا۔ اس موقع پر سحر انصاری نے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ بھارت مقبوضہ کشمیر میں غیر قانونی اور جارحانہ پالیسی سے نہ صرف سنگین انسانیت سوز بحران پیدا کررہا ہے بلکہ اس نے خطے میں امن وسلامتی کو بھی خطرے میں ڈال دیا ہے۔ بھارت متنازع علاقے کی ڈیموگرافی کو تبدیل کرنے کی کوشش کررہا ہے اور اس کا یہ عمل بین الاقوامی اصولوں اور اقوام متحدہ کی سلامتی کی قراردادوں کی صریح خلاف ورزی ہے۔ عالمی برادری کو بھارتی ظلم وتشدد کا نوٹس لینا چاہیے' پاکستان کے تمام اہل قلم' دانش ور' ادیب اور شاعر کشمیری عوام کے ساتھ ہیں اور ان کے لیے آواز بلند کرتے رہیں گے۔ معروف شاعرہ اور افسانہ نگار نابیدا عظمی نے کہا کہ کشمیر پر مظالم قابل قبول نہیں' وہ وقت دور نہیں جب کشمیری عوام آزاد فضا میں سانس لیں گے۔ پاکستانی اہل قلم کشمیری بھائیوں کو کسی بھی دکھ کی گھڑی میں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ کشمیر کی آزادی تک پاکستان کے اہل قلم آواز بلند کرتے رہیں گے۔ معروف شاعر شجاع الزماں نے کہا کہ ہم اپنے کشمیری بھائیوں کے ساتھ ہیں اور دنیا کو امن کا پیغام دیتے ہیں لیکن کشمیری عوام پر ہونے والے مظالم کے خلاف خاموش تماشائی نہیں بن سکتے۔

●●

غزلیں

شہزاد شرجیل

مقبول کوئی حرفِ دعا ہے کہ نہیں ہے
اب میرا خدا میرا خدا ہے کہ نہیں ہے

الحمد کے برق سے گلشن ہوا آباد
گل رنگ شراروں کی قبا ہے کہ نہیں ہے

لاحق ہے یہی فکر میرے چارہ گروں کو
ناخن سے میرا زخم جدا ہے کہ نہیں ہے

اس عشق میں اوصاف تو آصف کے ہیں لیکن
وہ حسن مگر مثلِ صبا ہے کہ نہیں ہے

در وا ہوا زنداں میں ہر بار یہ سوچا
صیاد بھی راضی بہ رضا ہے کہ نہیں ہے

ترمیم ہر اک وعدۂ فردا میں کہاں تک
کچھ حرمتِ آئین وفا ہے کہ نہیں ہے

جو زیست کی ژولیدگی لیے مُو کو سنوارے
وہ ایک فقط دستِ قضا ہے کہ نہیں ہے

گر لائق ہے تاوان ہے خونِ گُل و لالہ
خوشبو کا بھی کچھ خون بہا ہے کہ نہیں ہے

ضیا شاہد

یوں ادب سے بلا نہ یار مجھے
نام لے کر میرا پکار مجھے

جتنا بننا تھا بن چکا ہوں میں
کوزہ گر چاک سے اتار مجھے

آئنے سے مجھے ہوا معلوم
کون کرتا ہے بے قرار مجھے

دامن عشق ہوں خیال رہے
وقت کر دے نہ تار تار مجھے

ہائیامید تیرے ملنے کی
کھا گیا تیرا انتظار مجھے

آج ہوں تو زیارتیں کر لے
کل نہیں کوء اختیار مجھے

عشق کی منزلوں سے واقف ہوں
لے چلو یار سوئے دار مجھے

یہ ترے حسن کی لطافت ہے
لے اڑی باد نو بہار مجھے

موت سے قبل ہی ضیا شاہد
زندگی کر گئی شکار مجھے

شریک مطالعہ

درویش صفت افسانہ نگار محمد حامد سراج کی ''بادشاہوں کی آپ بیتیاں''

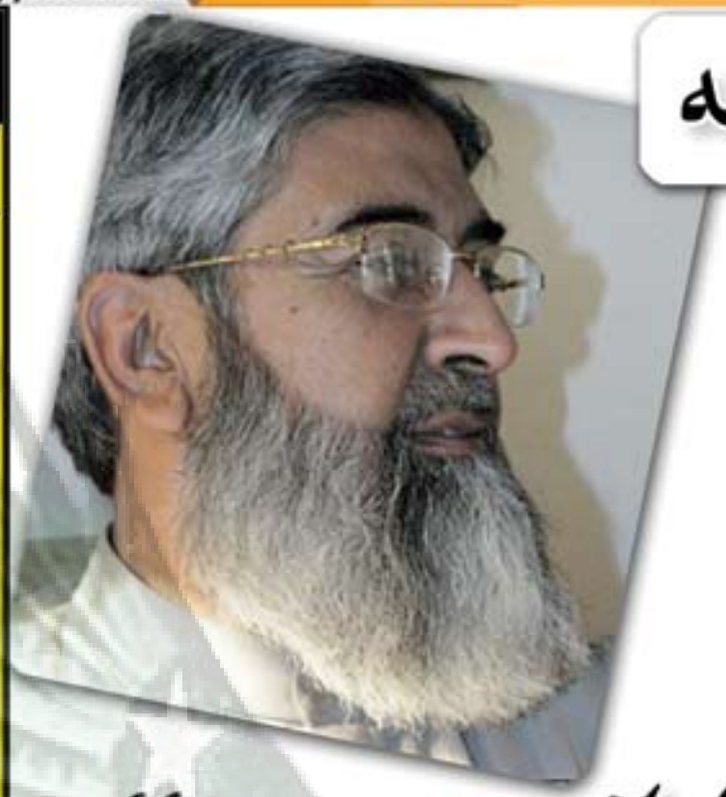

میانوالی کی خانقاہِ سراجیہ کے درویش صفت محمد حامد سراج کا شمار اہم اور مستند افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے ماں کے موضوع پر اردو ادب کا بے مثال اور طویل خاکہ ''منیا'' تحریر کیا، جسے جتنی بار قاری پڑھے ہر بار اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے۔ محمد حامد سراج کے پانچ افسانوی مجموعے ''وقت کی فصیل''، ''برائے فروخت''، ''چوب دار''، ''بخیہ گری'' اور ''برادہ'' شائع ہو کر قارئین اور ناقدین سے بھرپور داد حاصل کر چکے ہیں۔ ایک ناولٹ ''آشوب گاہ''، تمام افسانوی مجموعوں کی کلیات ''مجموعہ محمد حامد سراج'' اور سوانح خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمدؒ۔

''ہمارے باباجی'' بھی حامد سراج کی اہم تصنیف ہے۔ حال ہی میں بک کارنر جہلم نے محمد حامد سراج کے خود منتخب کردہ پچیس افسانوں کو انتہائی خوب صورت انداز میں ''نقش گر'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

ان تمام تصانیف کے ساتھ محمد حامد سراج نے دنیا بھر کے بہترین منتخب افسانے ''عالمی سب رنگ افسانے'' کے نام سے شائع کیے ہیں، جس کے بعد ان کا انتہائی اہم اور وقیع کام اردو کی بہترین آپ بیتیوں کا انتخاب اور تلخیص ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب ''نامور ادیبوں کی آپ بیتیاں'' 2017ء میں بک کارنر جہلم نے شائع کی تھی، جس میں باذوق قارئین کے لیے محمد حامد سراج نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ ماضی اور حال کے نامور ادیبوں اور شاعروں کی اتنی آپ بیتیاں نقوش کے ''آپ بیتی'' نمبر کے سوا کبھی پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ میر تقی میر، مرزا غالب، منشی پریم چند، جگر مراد آبادی، فراق گورکھپوری، دیوان سنگھ مفتون، جوش ملیح آبادی، ممتاز مفتی، شاہد احمد دہلوی، کنور مہندر سنگھ بیدی، فیض احمد فیض، قتیل شفائی، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور اور امرتا پریتم سمیت 64 ادبا و شعرا کی آپ بیتیاں قاری کو ایک ہی کتاب میں مل جاتی ہیں۔ 2018ء میں محمد حامد سراج کی عرق ریزی کا ایک اور شاہکار ''مشاہیرِ علم و دانش کی آپ بیتیاں'' کے نام سے منصۂ شہود پر آیا جس سے مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور جاوید احمد غامدی جیسے مشاہیر کی زندگی اور کارناموں سے آگاہی ہوئی۔ محمد حامد سراج جنرلوں اور سیاست دانوں کی آپ بیتیوں کی بھی تلخیص و ترتیب کا ارادہ رکھتے ہیں۔

حال ہی میں آپ بیتیوں کے انتخاب اور تلخیص کے سلسلے میں محمد حامد سراج کی تیسری کتاب ''بادشاہوں کی آپ بیتیاں'' منظر عام پر آئی ہے۔ جہلم بک کارنر کی خوب صورت اور عمدہ کتابت اور طباعت نے کتاب میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ بڑے سائز کے 248 صفحات کی اس عمدہ کتاب کی قیمت 1,500 روپے انتہائی مناسب ہے۔ قدرے باریک فاؤنٹ کی کتابت نے نہ صرف کتاب کے ظاہری حُسن میں اضافہ کیا ہے بلکہ اس میں 248 صفحات سے کہیں زیادہ میٹر شامل ہے۔ مغل حکمرانوں کی رنگین تصاویر نے کتاب کی خوب صورتی میں بھی اضافہ کیا ہے۔

بادشاہوں کی آپ بیتیاں میں چھ مغل فاتحین امیر تیمور گورگانی، ظہیر الدین بابر، نور الدین محمد جہانگیر، اورنگ زیب عالمگیر، دو مغل شہزادیوں گلبدن بیگم اور جہاں آرا بیگم کی آپ بیتیاں شامل ہیں، جس کے ساتھ لکھنؤ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ، افغانستان کے امیر عبدالرحمٰن خان اور ایران کے آخری بادشاہ رضا شاہ پہلوی کی آپ بیتیاں شامل ہیں۔ اس طرح بنیادی طور پر یہ مغل بادشاہوں کا ہی احاطہ کرتی ہے۔ جن تین دیگر آپ بیتیوں کو شامل کیا گیا ہے وہ قدرے مختصر بھی ہیں۔ کتاب میں اگر زارِ روس، فرانس کے کسی بادشاہ، کسی عثمانی سلطان اور برطانیہ کے بادشاہ کی آپ بیتی بھی شامل ہوتی تو کتاب کی دل چسپی اور وقعت بہت زیادہ بڑھ جاتی۔ تاہم ان 9 آپ بیتیوں سے بھی کتاب کی اہمیت کم نہیں ہوئی، بلکہ قاری کو ایک ہی کتاب میں مغلیہ دور کی تصویر نظر آ جاتی ہے۔

''تاریخ کے روبرو'' کے عنوان سے محمد حامد سراج نے ''بادشاہوں کی آپ بیتیاں'' کا تعارف کرایا ہے اور کیا خوب تعارف ہے۔ موضوع کے حوالے سے کتاب کا انتساب بھی بہت معنی خیز ہے: ''اقتدار عطا کرنے والے اللہ رب العزت کے نام، جو انصاف کرے تو اسے عمر بن عبدالعزیزؒ بنا دیتا ہے، جو ظلم روا رکھے تو اسے عبرت بنا دیتا ہے''۔ کتاب کا تعارف ملاحظہ کریں: ''اس کا نام تیمور ہے۔ امیر تیمور مغلیہ سلطنت کا بانی، وقت نے زمین کے ایک ٹکڑے کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دے دی۔ وہ بلا کا ذہین تھا۔ اللہ نے اس کی شخصیت میں ایک نہیں بے شمار خوبیوں کو ڈال کے اسے زمین کی بادشاہت سے نواز دیا۔ امیر تیمور کی زندگی، اصول اور حکمرانی کرنے کا ڈھنگ جاننے کے لیے ہی تو ہم نے اس کی آپ بیتی ''تزک تیموری'' کی تلخیص پر محنت کر کے آپ کے لیے انجمن سجائی ہے۔ گھڑ سواری، تیر اندازی اور نیزہ بازی میں اس نے بچپن ہی میں مہارت حاصل کر لی۔ دس سال کی عمر میں تیمور نے قرآن مجید مکمل حفظ کر لیا۔ سولہ سال کی عمر میں وہ بہ یک وقت حفظ قرآن مجید، علوم اسلامیہ، فنونِ ادبیہ، فنون حرب کا حسین امتزاج بن چکا تھا۔ اس کے بعد شہنشاہیت ظہیر الدین بابر کے حصے میں آئی۔ بابر کا اپنا اندازِ حکمرانی تھا۔ وہ زندگی میں جہاں جہاں سیر کو نکلا، یا جنگ کے لیے زرّہ بکتر پہنی، جہاں جس جگہ قیام کیا وہاں کی تہذیب و تمدن، شکاریات کے دوران معمول سے ہٹ کر نظر میں آنے والے جانور، پرندے، حشرات الارض تک کا ذکر اپنی تزک میں مفصل کیا۔ شہنشاہ محمد جہانگیر کی

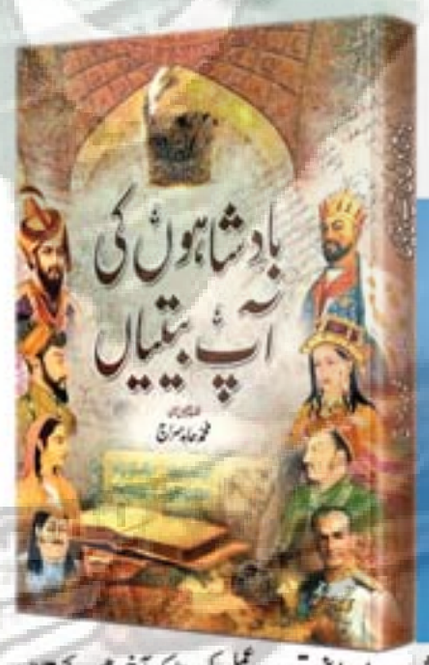

خودنوشت کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ ہر علاقے میں پھل اور میوہ جات جانچنے، پرکھنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ گلبدن بیگم بنتِ بابر بادشاہ کی ''ہمایوں نامہ'' انتہائی دل چسپ ہے۔ اس سے یہ پہلو بھی کھلا کہ مغل بادشاہ اپنی محرمات کو صرف چار دیواری میں باندھ کر نہیں رکھتے تھے، بلکہ سرسبز علاقوں کی سیر اور اکثر شکار پر بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ ان کے الگ خیمے سجائے جاتے اور چراغاں کیا جاتا، اور تمام مغل بادشاہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ اپنی ماؤں، بیگمات، بیٹیوں، پھوپھیوں، خالاؤں اور جو جو رشتے اہم ہیں، اُن کو سالانہ انعامات بھجوائے جاتے اور عیدین پر کپڑوں، قیمتی تحائف کے ساتھ اشرفیاں تک ان میں تقسیم کی جاتی تھیں۔ بادشاہوں کی بولتی زندگی ان کے قلم سے آپ کے سامنے ہے۔'' سب سے طویل تلخیص نور الدین جہانگیر کی 67 صفحات، ظہیر الدین بابر کی 66، گلبدن بیگم 41، امیر تیمور 12، امیر عبدالرحمٰن 20، واجد علی شاہ 7، جہاں آرا اور رضا شاہ پہلوی کی 4، 4 صفحات پر مبنی ہے۔ لیکن تلخیص کی خوبی یہ ہے کہ پورا دور پردۂ سیمیں کی مانند قاری کے سامنے آ جاتا ہے۔

امیر تیمور گورگانی کی پیدائش 9 اپریل 1336ء اور وفات 19 فروری 1405ء کو 69 برس کی عمر میں ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امور ملک گیری و حکمرانی اور دشمن کی شکست اور دشمن کو اپنے دام میں لا کر مخالفین کو دوست بنا لینے اور دوستوں اور دشمنوں سے میل جول اور برتاؤ کی تدبیر و رائے یہ قرار دی کہ بغیر سوچے اور مشورہ کیے ہوئے کوئی کام نہ کروں، کیوں کہ میرے پیر نے مجھے تحریر کیا تھا کہ ''ابوالمنصور تیمور! تم کاروبارِ سلطنت میں چار باتوں کو ہمیشہ لازم کر لینا: مشورۂ باہمی، ذاتی رائے، دور اندیشی اور بیدار مغزی۔ کیوں کہ جو سلطنت بادشاہ کی زبردست ذاتی رائے اور مشیروں کی نیک صلاح سے خالی ہو وہ بالکل اُس جاہل شخص سے مشابہ ہے جس کے تمام افعال و اقوال سراپا غلط ہوتے ہیں، اور اس کی باتیں اور اس کے کام از اوّل تا آخر پشیمانی اور ندامت ہی کا سبب بنتے ہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اپنی سلطنت کے کاروبار کو چلانے میں دانا لوگوں کے مشورے اور اپنی تدبیر پر عمل کرو تا کہ آخر میں پچھتانا نہ پڑے۔

تم کو بھی خوب یاد ہے کہ سلطنت کے کاموں میں ایک حصہ برداشت اور تحمل کا ہے اور دوسرا حصہ جاننے اور سمجھنے کے بعد غافل اور نادان بننے کا۔ مگر پختہ ارادہ، صبر، پامردی و استقلال، دور اندیشی اور انجام بینی کے ذریعے سارے کام سدھر جاتے ہیں۔ والسلام''

یہ خط گویا ایک رہنما تھا جس نے مجھے راہِ راست دکھائی اور بتا دیا کہ سلطنت کے کاموں میں 9 حصے تدبیر و مشورے کے ذریعے ہوتے ہیں اور صرف ایک حصہ تلوار کے وسیلے سے۔ امیر تیمور نے 12 چیزوں کو اپنا شعار بنایا تا کہ با استقلال تمام تخت و سلطنت پر متمکن رہوں اور مجھے اس کا تجربہ ہو گیا ہے کہ جو بادشاہ ان 12 چیزوں سے عاری ہو وہ سلطنت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ جن میں بادشاہ جو کہتا ہے وہی کرتا ہے، ہر امر میں انصاف لازم ہے، بذاتِ خود حکم دے کسی دوسرے کو دخل دینے کی تاب نہ ہو، ارادے کا پکا ہو، کسی کو حکم سے روگردانی کی جرأت نہ ہو، سلطنت کے امور مستقل کسی کے سپرد نہ کرے، ہر شخص کی بات سنے اور جو اچھی لگے اسے خزینۂ دل میں محفوظ کر لے، امرا و وزرا کی اچھی بری بات سن لے مگر حقیقت واضح ہونے تک اس پر عمل نہ کرے، اپنی سلطنت کا رعب سپاہ و رعایا کے دل میں بٹھا دے، اپنے احکام میں کسی کو شریک نہ کرے اور اپنی مجلس کے لوگوں کے حالات سے باخبر رہے۔ اس کے بعض احکامات آج بھی مثالی ہیں۔ اگر رعایا از خود مال گزاری ادا کر دے تو تحصیل دار مقرر نہ کیا جائے۔ وصولی کے لیے حکم اور زبانی دھمکی سے ہی کام لیا جائے۔ جو شخص جنگل کو آباد کرے، کنواں کا ریز لگائے اُس سے پہلے سال کچھ نہ وصول کیا جائے۔

ظہیر الدین بابر کی تزک انتہائی دل چسپ اور معلوماتی ہے۔ اس کی تلخیص آسان نہیں۔ بابر 12 سال کی عمر میں 5 رمضان 899 ہجری مطابق 6 جون 1404ء کو فرغانہ کا بادشاہ بنا۔

غزلیں

فیصل محمود سید

تلاشِ رزق میں کھویا جہان بھول گیا
پرند قید میں خوش ہے اڑان بھول گیا
میں ڈھونڈنے کو چلا ایک خواب کی تعبیر
اسی تلاش میں اپنا مکان بھول گیا
مجھے گمان تری داستان ازبر ہے
مگر کھلا، جو ہوا درمیان، بھول گیا
خدا ہی جانے یہ وحشت ہے یا دوانہ پن
تری گلی میں جو پہنچا مکان بھول گیا
کبھی تو ان کا بھی نوحہ کوئی لکھے کہ جنہیں
زمین راس نہیں آسمان بھول گیا
میں کوچۂ یار کو نکلا تلاش میں اپنی
جہاں تھی دل کی دوا وہ دکان بھول گیا
ہوا جو عمر کے بعد آج سامنا اس کا
وہ آنکھ پڑھ ہی نہ پایا زبان بھول گیا
نگاہ کی تھی اچانک جو لمحہ بھر کے لیے
بس ایک پل میں میں سدھ بدھ گیان بھول گیا

عروج دبیر

میں بھی یک سطری خبر ہو جاؤں گا
تم کہو تو مختصر ہو جاؤں گا
مڑ کے دیکھوں گا ہر اک آہٹ پہ میں
اور پھر محوِ سفر ہو جاؤں گا
کیا کروں گا رکھ کے پھر اپنی خبر
جب تجھی سے بے خبر ہو جاؤں گا
رات آئے گی تو بن جاؤں گا نیند
دن نکلتے ہی سفر ہو جاؤں گا
کرتے کرتے دوستوں سے دل کی بات
سوچتا ہوں بے اثر ہو جاؤں گا
آپ نے مجھ پر کیا جو اعتبار
اچھا خاصا معتبر ہو جاؤں گا
رات یہ اچھی نہیں لگتی مجھے
شام ہوتے ہی سحر ہو جاؤں گا
مجھ سے مل کر اتنا روئے گا عروجؔ
ہو کے صحرا تر بہ تر ہو جاؤں گا

آزادی کی لگن

''تڑ.....تڑ.....تڑ.....'' گولیوں کی نہ تھمنے والی آوازوں کے ساتھ رات کا سناٹا بول اٹھا۔ حجاب زہرہ ہڑبڑا کر اٹھی اور اپنے پہلو میں لرزتی کانپتی بتول بی بی پر اس کی نظر پڑی۔

''اماں! آج پھر وہ لوگ وادی میں آ گئے؟'' حجاب نے لرزتی آواز میں سوال کیا تو بتول بی بی نے اثبات میں سر ہلا کر دوبارہ تسبیح گھمانی شروع کر دی۔ حجاب اٹھ کر وضو کر کے باورچی خانے میں گئی، وہاں خالی برتن، خالی ڈبے اور خالی الماری اس کے سامنے تھی۔ اس نے پتیلی میں پانی بھرا، چولہے میں آگ جلائی اور پتیلی چولہے پر رکھ دی، اور خود گھٹنوں میں منہ دے کر گنتی کرنے لگی۔ آج بائیسواں روز تھا کرفیو کا، وادی میں ہر طرف پکڑ دھکڑ جاری تھی، بھارتی فوجی درندے دیواریں پھاند کر گھروں میں گھس جاتے، جوانوں کو اٹھا لے جاتے اور عورتوں کی عزتیں پامال کر جاتے۔ ابھی تک ان کا علاقہ بچا ہوا تھا جہاں ان درندوں کی رسائی نہیں تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اس علاقے کی طرف آنے والے تینوں راستے مجاہدوں نے بلاک کر رکھے تھے اور مستقل چوبیس گھنٹے سخت پہرہ دے رہے تھے جس کے باعث دراندازوں سے فی الحال یہ علاقہ محفوظ تھا۔

حجاب کا بھائی احرار بھی انہی پہرے داروں کے ساتھ ڈیوٹی میں مصروف تھا۔ مگر کب تک؟ اب تو خوراک بھی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ پانی کے اُبال کے ساتھ ہی حجاب کی سوچوں کا سلسلہ رک گیا۔ وہ کچن سے باہر نکلی اور کچن کی دیوار سے ملحق بیل سے کچھ پتے اتارے اور دھو کر ابلتے پانی میں ڈال دیے۔ کچھ دیر مزید جوش دینے کے بعد پتیلی اتار کر دو کپوں میں ان پتوں کا پانی ڈالا اور صحن میں لگے درخت سے دو پکے ہوئے سیب دھو کر قاشیں کر کے کمرے میں بتول بی بی کے پاس ٹرے سجا کر لے آئی۔

''اماں شکر ہے کہ ہمارے گھروں میں تھوڑے بہت پھل اور سبزیاں کاشت ہوتی ہیں تو ہمارا گزارا ہو رہا ہے، ورنہ تو ان 22 دنوں میں ہم فاقوں مر جاتے۔'' حجاب نے ٹرے ماں کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں بیٹا! وادی کے حالات کے باعث عرصۂ دراز سے ہمارا یہی کام رہا ہے، ہمیں عادت ہے آئے دن کے کرفیو اور خونریزی کی، اسی لیے اپنے گھروں کے آنگن کی چھوٹی سے چھوٹی زمین پر بھی اناج، پھل اور سبزیوں کی کاشت ہماری عادت ہے، اور اللہ کا کرم تو دیکھو کہ زمین کتنی زرخیز ہے۔'' بتول بی بی نے اس قہوہ نما گرم پانی کا گھونٹ بھرتے ہوئے تشکر سے کہا۔

ابھی وہ دونوں باتیں کر ہی رہی تھیں کہ دروازہ زور سے دھڑ دھڑایا۔

''اللہ خیر.....'' بتول بی بی دل پر ہاتھ رکھ کر دروازے کی سمت آئیں، جیسے ہی دروازہ کھلا دو لڑکے احرار کو زخمی حالت میں لے کر اندر آئے۔

''اللہ اکبر..... اللہ اکبر..... یہ کیا ہوا ہے؟'' بتول بی بی نے آگے بڑھ کر احرار کو ان لڑکوں کے ساتھ سہارا دیتے ہوئے دروازے کے پاس ہی بچھی چارپائی پر ڈالا۔

''دشمن دراندازوں نے ہمارے پہرے داروں کو پیلٹ گنوں سے نشانہ بنایا ہے۔ یہ ادھر ڈیوٹی پر تھا، زد میں آ گیا۔ ہم نے وہاں تازہ کمک بھیجی ہے..... خالہ! اس کا دھیان رکھنا، علاقے میں نہ دوائی ہے، نہ علاج کی سہولت..... خالہ! جو زندہ ہے غنیمت ہے، ہمیں اپنے زخمیوں کو صحت مند ہونے کے بعد دوبارہ محاذوں پر بھیجنا ہے۔'' لڑکے نے بغیر کسی پریشانی کے پامردی سے کہا۔

''ہاں..... ہاں میرے بچو! مجھے معلوم ہے تمہاری زندگیاں ہیں تو ہمارے حجاب و عفتیں سلامت ہیں، مجھے معلوم ہے۔'' بتول بی بی نے چلمن کی اوٹ سے جھانکتی حجاب پر ایک نظر ڈالی اور دوسری نظر زخمی احرار پر، جس کا چہرہ پیلٹ گنوں کے چھروں سے چھلنی تھا۔

''خالہ! شکر ہے اللہ کا کہ اس کی آنکھیں بچ گئی ہیں۔'' وہ دونوں لڑکے واپس مڑ گئے۔

''خدا کا شکر.....'' بتول بی بی نے دروازے کو بند کر کے جیسے بڑبڑاتے ہوئے خود سے کہا۔ دروازہ بند ہوتے ہی حجاب بھاگتی ہوئی بھائی کے پاس آئی، ماں کے ساتھ مل کر اس کے زخم دھوئے، ہلدی پیس کر کچھ مرہم کے طور پر لگائی اور کچھ گرم دودھ میں ڈال کر یہ دودھ اسے پلایا اور آرام سے سلا کر اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

بتول بی بی لال خشک مرچوں کو سل پر پیسنے کے بعد انہیں لے کر گھر سے باہر نکلی اور ڈنڈے سے پڑوس کی دکان کے شٹر کو مخصوص انداز سے کھٹکھٹایا تو دیوار کے اوپر سے ایک لڑکے کا سر نمودار ہوا۔

''جی خالہ مال تیار ہے؟''

''ہاں بیٹا!'' بتول بی بی نے جلدی سے مرچوں کے بنے ہوئے گولے کی ٹرے اسے تھمائی۔

''خالہ وہ پچھواڑے کی کھولی والی ماسی اور کلینک والے بٹ صاحب کی بیگم کے گھر سے بھی مال نہیں آیا، تم لا دو ناں۔'' اس لڑکے نے التجا کی تو گھر کے باہر سے کنڈی لگا کر مطلوبہ اہداف پورے کر کے بتول بی بی واپس آئی تو حجاب، احرار کے بستر کے پاس کھڑی اسے دیکھ کر روتی نظر آئی۔ بتول بی بی کے دل کو کچھ ہوا مگر اس نے اپنے دل کو فوراً سخت بنا کر بیٹی کے آنسو پونچھے۔ ''بی بی یہ زخم جو بھائی کے چہرے پر ہیں یہ زخم نہیں پھول ہیں، ان پھولوں پر جنت کی نوید ہے، کاہے کو روتی ہو؟ اگر یہ ڈھال نہ بنے تو ہمارے تمہارے سروں کی چادریں محفوظ نہیں رہیں گی، یہ نگہبان ہیں ہمارے، ان کا کام ہی سینے پر گولی کھانا ہے۔'' بتول بی بی نے فخر سے کہا۔

''اماں! کس دل سے کہہ رہی ہو یہ سب، اگر اسے کچھ ہوا تو میں زندہ نہیں رہوں گی۔'' حجاب یہ کہہ کر بھائی سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ہاں پھر تمہیں زندہ رہنا بھی نہیں چاہیے۔ یہ اگر مر گیا ہمارا پردہ، ہماری ڈھال، ہمارا احرار..... اگر ہمارے سامنے سے ہٹ گیا تو پھر ہمیں اپنے حجاب سمیت اپنے رب کے سامنے حاضر ہو جانا چاہیے اس سے پہلے کہ حجاب کو کوئی تاراج کر دے۔'' بتول بی بی نے گویا کہ بیٹی کو ڈھکے چھپے لفظوں میں وصیت کی اور بہادر بیٹی نے یہ وصیت نصیحت بنا کر پلو میں باندھ لی۔

☆.....

''ٹھیک ہے ماں! اللہ کی دوبارہ دی گئی زندگی کو دوبارہ اسی کی راہ میں لگانے جا رہا ہوں..... دعا کرنا۔'' نہائے دھوئے، عزم و ہمت سے سنورے احرار نے ماں کے ماتھے پر الوداعی بوسہ دیا، حجاب کا سر چوما اور ان کی دعاؤں میں قدم بڑھا دیے۔ بتول بی بی اور حجاب پُرنم آنکھوں سے الوداع کرتے سوچ رہی ہیں کہ آگے تخت ہے یا تختہ؟ حجاب کو اپنا حجاب محفوظ رکھنے کے لیے قربان ہونا پڑے گا یا کوئی محمد بن قاسم ان کے لیے آئے گا؟

●●

دہرا بوجھ

افسانچہ

سائرہ بانو

''ہاں، ہاں کیا کروں، ہمارے خاندان کی بیٹیوں کے نصیب ہی خراب ہیں، بہوئیں عیش کر رہی ہیں ہمارے گھروں میں''۔ اکثر شبنم یہ دکھڑا روتی رہتیں۔ ان کی بیٹیاں پھوہڑ تو تھیں ہی، بدزبانی بھی بہت کرتی تھیں۔ جب کہ شبنم نے خدمت گزاری سے شوہر کا دل جیتا تھا اور سسرالیوں کے آگے کبھی جواب نہ دیا۔

شبنم کے شوہر ملازمت پیشہ تھے، گزر اوقات نپے تلے انداز سے ہوتی تھی۔ جب بڑی بیٹی دس سال کی ہوئی تو شبنم نے ملازمت اختیار کر لی۔ صبح ناشتا بنا کر رکھ جاتی، شام کو واپس آ کر سالن روٹی کا بندوبست کر لیتی۔

یونہی دن نکل رہے تھے۔ نہ لڑکوں کا پتا تھا کہ کیسا پڑھا، کیا تمیز سیکھی۔ بس ایک ہی دھن تھی کہ بچوں کی کوئی خواہش نہ رہ جائے۔ ابھی پانچ، چھ سال ہی گزرے کہ بڑی بیٹی کی شادی کا خرچا آ گیا۔ ساتھ ساتھ بیٹے کی بھی شادی کر دی۔ ایسی ہی چھوٹے بچوں کی بھی ہو گئی۔ جب بیٹیاں سسرال گئیں تو ان کو پتا چلا کہ کیا کمی رہ گئی۔ آئے دن شوہر سے لڑ جھگڑ کر آ جاتیں، نہ کام وقت پر کرتیں نہ ادب آداب سے کسی سے بات کرتیں۔

بیٹی فوزیہ کو بھی پیسے کمانے کا جنون چڑھا۔ شروع شروع میں تو شوہر نے منع کیا کہ گھر بار سنبھالو، ابھی بچے چھوٹے ہیں، کل یہ بڑے ہو جائیں گے، ماں ہر وقت بچوں کے ساتھ رہتی ہے، ان کو اچھے برے کا بتاتی رہتی ہے۔ ''میں انہی کی اچھائی کے لیے تو کمانے نکلی ہوں۔ میرے بچے بڑے سے بڑے اسکولوں میں پڑھیں گے، اچھے سے اچھا کپڑا پہنیں گے، کھانا پینا بھی اچھا ہوگا''۔ شوہر یہ سب سن کر خاموش ہو جاتے۔ دن پَر لگا کر اُڑ گئے، بچے بھی بڑے ہو گئے۔

ان کی بیٹیوں نے کام تو کیا لیکن بے ڈھنگا، بے تکا۔ کیوں کہ ماں کی تربیت ہی نہیں تھی اور نہ وقت تھا۔ وقت تو ایک اہم کام میں خرچ ہو رہا تھا۔ ہاں ہاں پیسہ کمانے میں..... خالہ رضیہ نے شبنم اور فوزیہ دونوں کو بات سمجھائی کہ بڑے سچ کہتے ہیں کہ جو عورتیں کمانے کی ذمے داری اٹھاتی ہیں وہ خود دہری ذمے داری لے رہی ہیں، نہ تو گھر کو توجہ دیتی ہیں نہ اولاد کی صحیح تربیت ہوتی ہے، ایسی ہی ضرورت پڑ جائے تو گھر میں رہ کر کمانے کا بندوبست کر لیں، اس طرح گھر کے بڑے بوڑھے بھی خوش ہوں گے اور بچوں کی بھی بہترین نگہداشت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہماری ساری ذمے داریوں کے متعلق سوال کرے گا۔

خوب صورت بالوں کے لیے گھریلو ٹوٹکے

☆ لمبے اور گھنے بال:

بیری کے پتے لے کر انہیں چٹنی کی طرح پیس لیں اور دس منٹ تک سر میں خوب مَلیں، اور پھر سر دھو ڈالیں۔ شیمپو یا صابن کا استعمال نہ کریں۔ بال لمبے اور گھنے ہو جائیں گے۔ سرسوں کی گھلی بھی بالوں کے لیے بہت مفید ہے۔ سر دھونے سے دو گھنٹے قبل سرسوں کی گھلی پانی میں بھگو دیں، پھر اس پانی کو نتھار کر سر دھوئیں، بالوں میں چمک آ جائے گی۔

☆ بالوں میں چمک:

ایک چقندر، ایک ٹکڑا دنداسہ، چائے کا ایک چمچ، کافی ایک چائے کا چمچ، چائے کی پتی۔ ان سب کو چار گلاس پانی میں پکا کر ایک گلاس پانی بنا لیں۔ اب اسے چھان کر اس میں ایک چمچ لیموں کا رس اور دو چمچ سرسوں کا تیل اور حسب ضرورت مہندی گھول کر کچھ گھنٹوں کے لیے رکھ دیں، پھر بالوں میں لگائیں۔ انتہائی خوب صورت اور پکا رنگ آئے گا اور بال بھی چمک دار ہو جائیں گے۔

☆ چائے کا قہوہ، بالوں کے لیے بہترین کنڈیشنر:

چائے کے جوشاندے سے بالوں کو کھنگالنا ایک بہترین کنڈیشنر ہے۔ پانی میں چائے کی پتی کو درمیانہ رنگ (نہ زیادہ تیز نہ زیادہ ہلکا) میں ابال لیں اور چھان کر ٹھنڈا کر لیں، پھر بالوں کو دھونے کے بعد سب سے آخر میں انہیں چائے کے پانی سے دھو ڈالیں۔

☆ بالوں کی خشکی دور کریں:

اگر آپ کے بالوں میں خشکی ہے اور آپ اس سے بہت پریشان ہیں تو پریشان نہ ہوں۔ اپنے بالوں کے گھنے پن کے حساب سے دیسی گھی لیں اور تقریباً چار سے پانچ کھانے کے چمچ اجوائن کو اس میں اچھی طرح سے سرخ کر لیں، پھر اس تیل کو کسی لوہے کی باریک چھلنی سے چھان لیں۔ قابلِ برداشت حد تک نیم گرم گھی کو بالوں میں مانگ بنا بنا سامنے کے حصے سے شروع کریں اور گردن تک لے جائیں۔ تقریباً 3 یا 4 گھنٹے تک لگا رہنا چاہیے، پھر کسی اچھے شیمپو سے سر دھو لیں۔ ناقابلِ یقین حد تک خشکی کم بلکہ ختم ہو جائے گی۔ مہینے میں تین مرتبہ یہ نسخہ استعمال کریں۔

شادیاں مشکل کیوں....؟

تعلیم، نوکری اور شادی ایسے مراحل ہیں جن سے تقریباً ہر شخص کا واسطہ پڑتا ہے۔ ان کے حوالے سے بہت سے فیصلے اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک غلط فیصلہ بہت سی مشکلات کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ تعلیم اور پھر ملازمت کے طویل اور جان جوکھوں کے مراحل..... ہر والدین کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے بہترین زوج کا انتخاب کریں۔ فی زمانہ رشتوں کی تلاش میں ہر گھر پریشان اور فکرمند نظر آتا ہے جس کی وجہ بے جا خواہشات کی لمبی فہرست ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں یہ فرض سنگین مسئلے کی شکل اختیار کررہا ہے۔ آج ہر گھر، ہر دہلیز پر جوان لڑکے، لڑکیاں شادی کی نکلتی عمروں میں داخل ہوچکے ہیں، اور بہترین رشتے کے انتظار میں مناسب رشتوں کو ٹھکرانا عام ہوگیا ہے۔

رنگ روپ، نقش، قد کاٹھ، عمر، ہم پلہ اسٹیٹس، پُرکشش تنخواہ اور نوکری، ذات پات جیسی مادی ترجیحات پر انکار خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔ دین داری، شرافت، تقویٰ کی بنیاد کو پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ ملاقات سے قبل تصاویر اور پہلی ملاقات میں لڑکے لڑکی کا ایک دوسرے کو باضابطہ دیکھنے کا مطالبہ زور پکڑنے لگا ہے جو بہت سے شریف اور دینی گھرانوں کے لیے تکلیف دہ بنتا جارہا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ بہتر سے بہترین کی جستجو میں وقت پر شادی نہ ہونے سے بہت سے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ مختلف نوعیت کے ذہنی، اخلاقی، خاندانی اور معاشرتی انتشار پیدا ہورہے ہیں۔ اس مسئلے کی وجوہات اور اس کے خاطرخواہ حل کے لیے ہم نے گفتگو کی جو قارئین کی نذر کی جارہی ہے۔

1- کیا خاندانی اور فرسودہ رسم ورواج شادی میں مشکلات کا باعث ہیں؟ کیسے؟
2- رشتے کے حصول کے لیے دونوں فریقوں کی کون سی خواہشات بے جا ہیں؟
3- ان خواہشات کے ذمے دار والدین یا لڑکا/لڑکی؟ وجہ؟
4- اس مسئلے کے حل کے لیے دونوں فریقوں کے لیے تجاویز؟

سمیعہ عمران (خاتون خانہ)

1- خاندانی رسم ورواج شادی ہونے میں مشکلات کا باعث بنتے ہیں، بلکہ 95 فیصد ایسا ہی ہوتا ہے۔ بچوں کے جوان ہوتے ہی والدین کو جہاں جہیز کی صورت میں اشیائے ضروریہ دینے کی فکر لاحق ہوتی ہے، وہیں خاندان کے طریقوں کے مطابق شان دار تقاریب بھی بوجھ کا باعث ہیں۔ یہی جمع تفریق ان کے پاؤں کی بیڑیاں بن جاتی ہیں، پھر یہ کلچر کہ جب تک لڑکا خود کفیل نہ ہو اس پر ذمے داری نہ ڈالی جائے، ایسی اور بہت سی چھوٹی چھوٹی غیر ضروری رسوم اور رواج ہیں جنہوں نے مشکلات کھڑی کردی ہیں۔

2- رشتے کے حصول میں سیرت سے زیادہ صورت کو حد درجہ فوقیت دیتا ہے۔ ہم لڑکی/لڑکے کی سادگی و شرافت پر حُسن کو ترجیح دینے لگے ہیں۔ پھر نظر اہلِ رشتہ کی مالی حیثیت اور معاش پر بھی ہوتی ہے جو کہ سراسر زیادتی ہے۔ رشتے انسانوں سے جڑتے ہیں، معیشت سے نہیں۔

3- میرا خیال ہے دونوں ہی ذمے دار ہیں۔ والدین اگر بچوں کے ذہن میں سیرت و کردار اور حیا کو ترجیح کے سانچے میں ڈھالیں گے تو بچے بھی اسی کو اہمیت دیں گے، مگر اکثر اوقات بچے ماحول سے وقتی طور پر مغلوب ہوکر ڈیمانڈ کرتے ہیں، جو والدین کی مجبوری بن جاتی ہے۔

4- اس مسئلے کا حل صرف اور صرف سنتِ رسول کی پیروی میں پوشیدہ ہے، یعنی تقویٰ شادی کا معیار ہو تو نہ صرف پہلے بلکہ بعد از نکاح بھی مسائل جنم نہیں لیتے۔

فوزیہ طیب (خاتون خانہ، سماجی کارکن)

1- فرسودہ رسم میں سب سے بڑی رسم وٹے سٹے کی شادی ہے۔ وٹے سٹے کی شادی میں اکثر بے جوڑ رشتے طے ہونا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اگر ایک رشتہ کسی وجہ سے ناکام ہوجائے تو دوسرے کو بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔

2- ایسی چیزوں کا مطالبہ کرنا جو مہنگی ہوتی ہیں جیسے گاڑی، گھر وغیرہ..... یہ سب بے جا فرمائشیں ہیں۔

3- کہیں والدین بھی کرتے ہیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ لڑکا/لڑکی جو کہ خودمختار ہیں، کمارہے ہیں تو اپنی من مانی کرنے لگتے ہیں، اور دیکھا دیکھی بہت سی بے جا خواہشات اور مطالبات پر ڈٹ کر اپنی عمریں گزار دیتے ہیں۔

4- میرا خیال ہے کہ اگر دونوں فریق باہمی تعاون اور سمجھوتا کریں تو مسئلے کا حل نکل سکتا ہے۔ بہتر سے بہترین کی تلاش میں ناشکری کی عادت سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔

آمنہ یوسف (سماجی کارکن)

1- میرے نزدیک خاندانی رسم ورواج میں سب کچھ اتنا غلط نہیں ہے، اس میں

کچھ ترمیم کرنے کی ضرورت ہے۔ پرانے طریقے کہیں اس قدر مضبوط ہیں کہ وہ نئے خاندانوں کو ملانے کے لیے جڑوں کا کام کرتے ہیں۔ اگر رسم ورواج شادی ہونے میں رکاوٹ پیدا کررہے ہیں تو ہمیں ان رسموں میں شعوری ترمیم کی ضرورت ہے۔

2- مادہ پرستی زیادہ ہوگئی ہے جس کی وجہ سے بے جا مطالبات بڑھتے جارہے ہیں۔

3- میرے خیال سے بے جا خواہشات کے ذمے دار والدین ہیں، کیوں کہ اگر لڑکا/لڑکی بے جا خواہشات کرتے ہیں تو والدین اس تربیت کا عکس ہیں جو ابتدا سے لڑکا/لڑکی کو دی جارہی ہے۔

4- دونوں فریق تقابل کرنے سے گریز کریں، یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی بہترین بنایا اور سامنے والے کو بھی بہترین خصوصیات سے نوازا ہے۔ اس طرح ہمارا رویہ بھی بہت سی درست سمتوں میں دوڑ سکے گا۔

شہناز اختر (لیکچرار، خاتون خانہ)

1- فرسودہ رسم ورواج کو خاندانی کا نام دے کر نسل در نسل اسی پر کاربند رہنا اپنے اوپر ظلم ہے جس سے شادی ہونے میں مشکلات پیدا ہورہی ہیں، مثلاً وٹے سٹے کی شادی اور مہندی میں بے جا اخراجات کا بوجھ بھی شادی میں رکاوٹ پیدا کررہا ہے۔

2- رشتے کے حصول کے لیے دونوں فریق بے جا مطالبات کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہیں۔ دراصل برتری دکھانے کے لیے لڑکی اور لڑکے والے حد سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح سے بنی بنائی بات بگڑ جاتی ہے۔ لڑکا تعلیم یافتہ، خاندانی، برسرروزگار ہے لیکن لڑکی والوں کی طرف سے ''گھر کرایہ کا ہے'' یا ''خاندان بہت بڑا ہے'' کہہ کر انکار کردیا جاتا ہے۔ اسی طرح لڑکے والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ایسے خاندان سے رشتہ جوڑیں جہاں لڑکے کا مستقبل روشن ہو، یا جو تعلیم یافتہ لڑکی ہے وہ روزگار کے حصول میں ساتھ دینے والی ہو۔

3- میں سمجھتی ہوں کہ اس میں قصور سراسر والدین کا ہے، کیوں کہ بچوں میں بڑوں کی سوچ منتقل ہوتی ہے۔

4- رشتے کا حصول لالچ، نمود ونمائش، برتری کے احساس پر نہ ہو، بلکہ ذہنی ہم آہنگی، اخلاق اور برابری کے اصول پر ہو۔

.....☆.....

مختلف شعبہ ہائے زندگی کی خواتین کے تجربات اور خیالات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ رشتے کے حصول کی بنیاد صرف اور صرف اسلام کے اصولوں پر ہو جو کہ مال واسباب، صورت، ذات برادری پر تقویٰ کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کے علاوہ والدین کو چاہیے کہ بچوں کی تربیت اور ذہن سازی ایسے خطوط پر کریں کہ ان کی نظر میں انسانیت کی اصل معراج اخلاق ہو۔ یہاں دونوں فریقوں کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اگر اب معاشرے کی بڑھتی ہوئی خرابیوں کے خلاف نہ کھڑے ہوئے اور بائیکاٹ نہ کیا تو زمانہ ہر روز نت نئے رسم ورواج میں گھرتا چلا جائے گا اور شادی سنگین مسئلہ بنتی چلی جائے گی۔

●●

بارش کا پہلا قطرہ

طلعت نفیس

''چلو بھئی! گئیں صفیہ بیگم بھی.....'' اماں اندر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔ ان کی آنکھیں ابھی تک نم تھیں۔

''اماں کیوں اتنی پریشان ہورہی ہیں! ظاہر ہے کوئی نہ کوئی تو آئے گا ہی۔'' شبانہ ملائمت سے بولی۔

''کوئی بھی آئے، میں اب کسی سے دوستی نہیں کروں گی۔ ویسے بھی آج کل تو جو نیا آتا ہے وہ گھر کے باہر جھانک کر بھی نہیں دیکھتا۔ کوئی اپنی کھال میں مست، کوئی حال میں۔ کسی کو کسی کی پروا ہی نہیں ہوتی۔ میرا اور صفیہ کا تعلق چالیس سال سے تھا، میری شادی کے دو ماہ بعد وہ بھی رخصت ہوکر آئی تھیں۔ اسی طرح آگے پیچھے بچے ہوئے، مگر اس کے بیٹوں نے گھر بیچ کر ہی دم لیا۔''

''چلیں آپ کھانا کھالیں، میں آپ کو صفیہ آنٹی سے ملانے لے چلوں گی۔'' شبانہ بولی۔

''چلو.....'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔

برابر کے گھر میں سامان اتر رہا تھا، گاڑی میں سے دو باپردہ خواتین باہر آئیں۔ شبانہ سامان اترنے کی آواز سن کر باہر آگئی۔ جلدی سے دوپٹہ سر پر لے کر ٹھنڈے پانی کی بوتل اور گلاس لیا، اور ان کے ساتھ ساتھ گھر میں داخل ہوگئی۔ وہ بہت اخلاق سے ملیں۔ شبانہ نے ان کو پانی دیا اور بولی ''آنٹی اگر کچھ اور چاہیے ہو تو برابر سے لے لیجیے گا۔''

''نہیں بیٹا آج کل کون پوچھتا ہے اس دفعہ گھر تبدیل کیے مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔''

''جی شکریہ آنٹی میں پھر آؤں گی.....'' شبانہ یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

دو دن بعد وہ آنٹی آئیں اور بولیں ''بیٹا کل ہمارے گھر درود شریف کا ختم ہے اور درسِ قرآن بھی ہے۔'' شبانہ کی ساس کو خصوصی دعوت دی، مگر ان کو تو صفیہ کا دکھ تھا۔ شبانہ کا جوائنٹ فیملی سسٹم تھا۔ تین منزلہ بلڈنگ، ایک ایک منزل پر تینوں بھائی رہتے تھے۔ شبانہ سب سے چھوٹی تھی اس لیے نچلی منزل پر تھی، اور اس کی ساس بھی اس کے ہی ساتھ رہتی تھیں۔ ایک جیٹھانی نخوت۔ درس میں نخوت کی بڑی بیٹی حمنہ گئی تھی، وہ بھی شبانہ کے بے حد اصرار پر۔ لیکن اب دو سال گزر چکے تھے، شبانہ ان کے ساتھ ہر جگہ درس میں جاتی ہے اور اب وہ اپنا قرآن درست کرنے کے ساتھ ساتھ معنی سے پڑھ رہی تھی..... اب میں نے پڑھ لیا ہے۔''

''ہیں.....!'' عریشہ انگلش میں ماسٹرز کی ہوئی ماں کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

''ہاں بیٹا! میں قرآن سے نابلد تھی، اب سب سمجھ میں آرہا ہے۔ اچھا تم کپڑے تبدیل کرو، پھر بعد میں اس موضوع پر بات کریں گے۔''

یکم ستمبر کو عریشہ کی سالگرہ تھی۔

قرآن پاک ترجمے سے پڑھنے کے بعد شبانہ میں بہت سی تبدیلیاں آگئی تھیں۔ اس کے سسرال والے اس کو کچھ نہیں بولتے تھے، اور محسن تو تھے ہی اس کے ہمنوا، کبھی کسی چیز کو منع نہیں کرتے تھے۔ اگر کبھی ساس اور جیٹھانیاں مذاق میں کچھ بولتیں تو فوراً کہتے ''اچھا کام ہی کررہی ہے، برا کام تو نہیں کررہی''۔ گھر میں بھی سر پر دوپٹہ لیے رہتی تھی اور عبایا اور اسکارف بھی لازمی ہوگیا تھا۔

''امی روبینہ آنٹی کی کال ہے۔'' عریشہ نے موبائل اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

''جی آنٹی''۔

''شبانہ! حجاب ڈے پر لڑکیوں کے لیے ٹیبلو تیار کرلیتے ہیں۔''

''حجاب ڈے کا پتا تو ہے مگر تاریخ کا نہیں معلوم، اور پوری کہانی کا نہیں پتا۔''

''اچھا تم آؤ تو میں تم کو سب کہانی بتادوں گی، اور اپنے گھر کی بچیوں کو بھی لے آنا، انہی کو ٹیبلو میں لے لیں گے۔''

''حجاب ڈے 4 ستمبر کو منایا جاتا ہے، اس پر ہی ہم ٹیبلو تیار کرلیتے ہیں۔ اور حمنہ تم اس میں کردار ادا کروگی۔'' روبینہ آنٹی بولیں۔ ''فیس بک اور سوشل میڈیا سے پتا چلا ہے کہ جرمنی کی رہائشی مصری نژاد مسلم مروہ الشربینی حجاب پابندی سے لیتی تھیں۔ ان کا جرمن یہودی پڑوسی ان کے اسکارف سے نفرت کرتا تھا، کبھی لفٹ میں ان کو ستاتا، کبھی پارک میں ان کا مذاق اڑاتا۔ الشربینی کا تین سالہ بیٹا تھا اور وہ حاملہ تھیں۔ الشربینی نے تنگ آکر عدالت میں یہودی پڑوسی کی شکایت کردی۔ بھری عدالت میں اس شخص نے تیز دھار چاقو سے الشربینی پر حملہ کیا۔ ان کا شوہر جب بچانے آیا تو اس کو بھی شدید زخمی کردیا۔ پولیس اس دوران خاموش تماشائی بنی کھڑی رہی اور الشربینی حجاب کے لیے پہلی شہید کہلائیں۔ اس لیے 4 ستمبر کو عالمی برادری اس کی یاد میں یہ دن مناتی ہے۔'' روبینہ آنٹی اتنا بول کر خاموش ہوگئیں۔ باقی سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''اب تم ٹیبلو میں الشربینی بنو گی، کیوں کہ تم بہت پیاری ہو۔'' روبینہ آنٹی حمنہ کو پیار کرتے ہوئے بولیں۔

روبینہ آنٹی چائے لینے گئیں تو حمنہ بولی ''شکر الحمدللہ کہ ہم مسلمان ملک میں ہیں، مگر ہم لوگ حجاب کو زبردستی کی چیز سمجھتے ہیں۔ اب میں تو لازمی اسکارف لوں گی چاہے کہیں بھی جاؤں..... ایک مروہ تھی جس نے حجاب کے لیے جان دے دی اور ایک ہم ہیں.....''

''اور جب میری بیٹی اسکارف لے گی تو چھوٹی بہنیں خود بخود اسکارف لیں گی۔'' شبانہ حمنہ کو گلے لگاتے ہوئے بولی۔ ''بیٹا تم بھی خاندان کی پہلی باحجاب لڑکی بنو گی ان شاء اللہ۔'' شبانہ نے رب کا شکر ادا کیا کہ بارش کی پہلی بوند تو ٹپکی۔

انشال راو
jasaratsundaymag@gmail.com

ایمازونیا

عالمی سانحہ اور جنگلات کی کمی

نظام شمسی میں موجود سیاروں میں سے زمین پر مناسب وموزوں درجہ حرارت، پانی، ہوااور مٹی ہونے کے باعث زندگی کا وجود ہے باالفاظ دیگر کرہ ہوائی Atmosphere, کرہ آب Hydrosphere, کرہ حجر Lithosphere کے باہمی تعلق سے کرہ حیات Biosphere تشکیل پاتا ہے۔

زمین پر موجود جاندار اور بے جان کا آپس میں گہرا تعلق ہے اسی کو انوائرنمنٹ کا نام دیا گیا ہے، جانداروں کو دو اہم اور بڑے گروہ نباتات وحیوانات ہیں، نباتات کرہ ارض پر زندگی کی علامت ہیں، نباتات ماحول کو صاف رکھنے، خوراک، شیلٹر و دیگر بہت سی مفید ضروریات کا بڑا ذریعہ ہیں، کسی علاقے میں موجود نباتات کے بڑے مجموعے کو جنگلات کہا جاتا ہے، جنگلات قدرتی طور پر بھی پائے جاتے ہیں اور مصنوعی بھی، پاکستان میں چھانگا مانگا، چیچہ وطنی کا جنگل، میانی جنگلات وغیرہ مصنوعی طور پر لگائے گئے جنگلات ہیں، جنگلات قدرت کا انمول تحفہ ہیں جو انسانی زندگی و ماحول پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں اس لیے لوگوں میں اس کی بقا اور تحفظ کا احساس اجاگر ہوا ہے۔

نباتات آب وہوا، بارش اور درجہ حرارت کو کنٹرول کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اگر جنگلات کو نقصان پہنچتا رہا تو اس کے اثرات بڑے گہرے ہونگے جن کا حقیقی طور پر اندازہ لگانا ناممکن ہے جیسا کہ نباتات تازہ آکسیجن مہیا کرتے ہیں اور ماحول سے کاربن کو جذب کرتے ہیں اگر جنگلات یونہی ختم ہوتے رہے تو نہ صرف آکسیجن میں کمی واقع ہوگی بلکہ ماحول میں کاربن ڈائی آکسائیڈ میں اضافہ ہوجائے گا نتیجتاً کرہ ارض کا درجہ حرارت بڑھ جائیگا، گلیشئرز پگھل جائینگے، سمندر کی سطح بلند ہوجائے گی، بہت سے ساحلی علاقے غرق آب ہوجائینگے، بہت سے جزیرے ڈوب جائینگے، آب وہوا اور موسم میں تبدیلیاں واقع ہونگی، سیلاب، طوفان، خشک سالی و دیگر بہت سی ماحولیاتی تبدیلیاں پیدا ہوجائینگی جو دور رس اثرات مرتب کرنے کا باعث بنیں گی نتیجہ یہی ہوگا کہ کرہ ارض رہیگا مگر ہم نہیں رہیں گے اس لیے زندگی کی بقا کے لیے یہ دنیا میں بسنے والے تمام افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ جنگلات کا تحفظ یقینی بنائیں اور ماحول دشمن سرگرمیوں سے گریز کریں۔

ایمازون دنیا کا سب سے بڑا Rainforest ہے یہ قدرتی جنگلات دنیا کا پھیپھڑا کہلاتے ہیں، اس کا 60 فیصد سے زائد رقبہ برازیل میں واقع ہے اور باقی کا تقریباً 40 فیصد بولیویا، پیرو، وینزویلا، کولمبیا وغیرہ میں پھیلا ہوا ہے، ایمازون کے جنگلات Amazonia دنیا کی آکسیجن کا 20 فیصد مہیا کرتے ہیں اور بہت بڑا حصہ کاربن ڈائی آکسائیڈ کا جذب کرکے عالمی درجہ حرارت کو کنٹرول کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، دنیا کی کل بائیوڈی ورسٹی یعنی کرہ حیات کا دس فیصد ان جنگلات پر مشتمل ہے جن میں تین ملین سے زائد نباتات و حیوانات کی species موجود ہیں اور عالمی Fresh Water کا 15 فیصد ان جنگلات میں موجود ہے، صدیوں سے یہ جنگلات خوراک و دیگر وسائل کے لیے قدرت کا انمول تحفہ ہیں جن سے بہت سی انواع واقسام کے پھل، قیمتی لکڑیوں کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے پر ادویات کی تیاری کا بھی ذریعہ ہیں مگر انسانی سرگرمیوں کے باعث ایمازون کے جنگلات میں روز بروز کمی ہورہی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق 1970 سے تقریباً ساٹھ لاکھ مربع میل پر مشتمل Deforestation عمل میں لائی جاچکی ہے، صرف 1980 سے 2005 تک سالانہ 20 ہزار مربع کلومیٹر پر مشتمل جنگلات مٹائے جاتے رہے جو کہ بیلجیم کے رقبے کے برابر ہے جس کے پیچھے ڈویلپمنٹ کے نام پر انسانیت کے ساتھ کھلواڑ ہے، Drought سیزن میں ان جنگلات میں آگ لگتی رہتی ہے جن پر کنٹرول کیا جاتا رہا مگر گزشتہ بیس برسوں سے لگنے والی آگ میں زیادہ تر انسانی ہاتھ شامل رہا ہے، جس میں Mercusor اکنامک بلاک کی کرپٹ حکومتوں کی منشا و مرضی شامل رہی ہے جن کا مقصد زیادہ سے زیادہ جنگلات کی زمین کو زرعی، فارمنگ و دیگر حصول کے لیے استعمال میں لانا ہے۔

برازیل میں Bolsonar حکومت میں اس عمل میں شدید تیزی آگئی ہے جس پر عالمی سطح پر تشویش واحتجاج کیا جارہا ہے، گزشتہ تین ہفتوں سے لگنے والی آگ اب تک کی سب سے خطرناک آگ ہے جسے عالمی سانحہ قرار دیا جارہا ہے، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسپیس ریسرچ کے دعوے کے مطابق یہ آگ لگائی گئی ہے، اس آگ کی شدت اور پھیلاؤ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ساؤپالو اور ریوڈی جنیرو شہر ان جنگلات سے 2500 میل دور ہیں مگر ان سے اٹھنے والے دھویں نے دونوں شہروں کو فضا پر دھواں چھا جانے کی وجہ سے تاریکی کی لپیٹ میں لے لیا جس پر نیویارک ٹائمز سے منسلک صحافی شیئن سمس نے ہیش ٹیگ #PrayForAmazonia کے ساتھ ٹویٹ کیا تو دنیا میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی اور عالمی میڈیا کی توجہ مرکوز ہوئی، اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ برازیلین حکومت کی ترجیحات میں ان جنگلات کا زیادہ سے زیادہ صفایا شامل ہے جس کے ذریعے وہ اس زمین کو زرعی و مویشی فارمنگ کے لیے استعمال کرکے وسیع زرمبادلہ حاصل کرسکتی ہے۔

برازیل دنیا کا سب سے بڑا گوشت کا ایکسپورٹر ہے اور اب سویابین کا بھی بڑا ایکسپورٹر بن گیا ہے یہی وجہ ہے کہ برازیل کی حکومت نے کبھی جنگلات کے خاتمے کی روک تھام کے لیے کوئی سنجیدہ قانون سازی یا اقدام نہیں اٹھائے بلکہ ایسا کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی رہی، یہی وجہ ہے کہ دنیا اب ایمازون جنگلات کے 20 فیصد سے زائد رقبے سے محروم رہ گئی ہے، 2019 میں اب تک آگ کے تقریباً 75 ہزار واقعات ریکارڈ ہوچکے ہیں جو کہ 2018 کے مقابلے میں 84 فیصد زائد ہیں، 2016 Drought سیزن کے لحاظ سے بدترین سال مانا جاتا ہے اس میں بھی اتنے بڑے پیمانے پر واقعات ریکارڈ نہیں ہوئے جبکہ 2019 اس کے مقابلے میں انتہائی قابل تشویش ثابت ہوا ہے۔

ناروے اور جرمنی کی حکومتوں نے احتجاجی طور پر ایمازون جنگلات کی بحالی کے لیے مختص فنڈ کی مد میں 72.27 ملین ڈالر کی امداد روک لی ہے اور یورپی یونین پر Mercusor بلاک کے ساتھ تجارتی معاہدہ ختم کرنے کے لیے زور دیا ہے، Mercusor بلاک جس میں برازیل، ارجنٹینا، پیراگوئے، یوراگوئے شامل ہیں جبکہ بولیویا، وینزویلا، پیرو، کولمبیا اس کے الحاق میں شامل ہیں، یورپی یونین کا Mercusor کے ساتھ تجارتی معاہدے کو صدی کی سب سے بڑی تجارتی ڈیل کہا جارہا تھا جو اب خطرے میں پڑگئی ہے۔ اس کے علاوہ فرانس نے اس قدرتی تحفے کے بے دریغ زیاں پر احتجاج کرتے ہوئے G-7 کی حالیہ ہونے والی summit میں بھی اٹھایا ہے اور دنیا سے اس مسئلے پر سخت ایکشن لینے کے لیے زور دیا ہے جبکہ دوسری طرف اس سانحے کو برازیلوی صدر کا امریکا کو جواب سے تعبیر کیا جارہا ہے، فی الحال اس سانحے کی مکمل تفصیلات منظر عام پر نہیں آسکی ہیں البتہ NASA, Inpe و دیگر تحقیقی اداروں کی طرف سے جاری کردہ سیٹلائٹ امیجز کے مطابق یہ غیر معمولی سانحہ ہے جس کے سیارہ زمین پر انتہائی خطرناک اور دور رس مہلک اثرات مرتب ہوں گے، ان جنگلات کا صفایا کرنے میں انسانی سرگرمیوں کا ہی کردار ہے جس میں مائننگ، ہائیڈرو پاور پراجیکٹ وغیرہ بھی شامل ہیں۔

لاطینی امریکی ممالک کی کوشش ہے کہ ان جنگلات کو زیادہ سے زیادہ ختم کرکے زمین کو زرعی و کیٹل فارمنگ کے لیے استعمال کرے جس کے باعث دنیا اپنے پھیپھڑے سے محروم ہوجائے گی اور آہستہ آہستہ تباہی کی طرف بڑھے گی، اس قسم کی کوشش کی روک تھام کے لیے ضروری ہے کہ ان ممالک پر سخت سے سخت پابندیاں عائد کی جائیں اور اقوام عالم گوشت کے استعمال کا بائیکاٹ کریں۔ چین جو کہ اس وقت برازیل سے Soy کا سب سے بڑا خریدار ہے عالمی بہتری کی خاطر برازیل سے Soy کی تجارت فوری طور پر بند کرے، اقوام متحدہ اور عالمی طاقتوں کو جنگلات کی کٹائی کی روک تھام اور تحفظ کے لیے فوری اور سخت اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے ورنہ کرہ ارض رہے گا مگر ہم نہیں رہیں گے۔

اس عظیم سانحے پر ایکشن کے ساتھ ساتھ اقوام عالم کو بھارت کی طرف سے پاکستان و بنگلہ دیش میں کی جانے والی آبی دہشت گردی کا بھی فوری نوٹس لینا چاہیے جس کے نتیجے میں مقبوضہ جموں وکشمیر، پاکستان اور بنگلہ دیش میں کئی ملین ایکڑ جنگلات میں کمی واقع ہوئی ہے اور بہت سی قیمتی species خاتمے کے دہانے پر پہنچ گئی ہیں۔ دوسری طرف پاکستان میں صحرازدگی میں خطرناک حد تک اضافہ ہورہا ہے اور پانی کی سطح غیر معمولی حد تک نیچے جارہی ہے، سمندر میں مطلوبہ مقدار میں فریش پانی نہ جانے کے باعث آلودگی میں اضافہ اور مینگرو وو جنگلات میں بھی تیزی سے کمی واقع ہورہی ہے نتیجتاً پاکستان کا علاقائی درجہ حرارت روز افزوں بڑھتا جارہا ہے جس کے اثرات نہ صرف پاکستان بلکہ گلوبل میں بھی ظاہر ہوں گے، اس کے علاوہ حالیہ رپورٹ کے مطابق بھارت ماحول میں سلفر آکسائیڈز کا اخراج کرنے والا سب سے بڑا ملک بن گیا ہے۔ سلفر آکسائیڈز بہت ہی مہلک گیس ہے جو نہ صرف انسانی بلکہ جانوروں اور پودوں کے لیے بھی شدید نقصان دہ ہے۔ عالمی اداروں کو چاہیے کہ بھارت کی آبی دہشت گردی و ماحولیاتی دہشت گردی پر لگام ڈالے اور عالمی قوانین کی پابندی کرنے کے لیے مجبور کرے تاکہ کرہ ہوائی کو مزید نقصان پہنچنے سے بچایا جاسکے۔

جنگلات کا خاتمہ ایمازون میں ہو یا کسی اور ملک میں، آگ لگانے سے ہو، درختوں کی بے دریغ کٹائی سے یا پھر آبی دہشت گردی سے، یہ محض جنگلات کا خاتمہ نہیں بلکہ پوری نوع انسانیت پر حملہ ہے کیوں کہ جنگلات کا ماحولیاتی تبدیلیوں، بائیولوجیکل ڈائیورسٹی، مختلف انواع واقسام کے نباتات و حیوانات، واٹر ٹیبل، درجہ حرارت وغیرہ سے براہ راست گہرا تعلق ہے، بڑے پیمانے پر جنگلات کا خاتمہ تازہ آکسیجن میں کمی کے ساتھ ساتھ کاربن ڈائی آکسائیڈ میں اضافے کا باعث بھی بنے گا۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ گلوبل وارمنگ کا ایک اہم سبب ہے جس کے اضافے سے کرہ ارض کا درجہ حرارت خطرناک حد تک بڑھ جائے گا جو کہ دنیا کی تباہی کا سبب بنے گا۔

راحیلہ چوہدری
jasaratsundaymag@gmail.com

روح کی پیاس

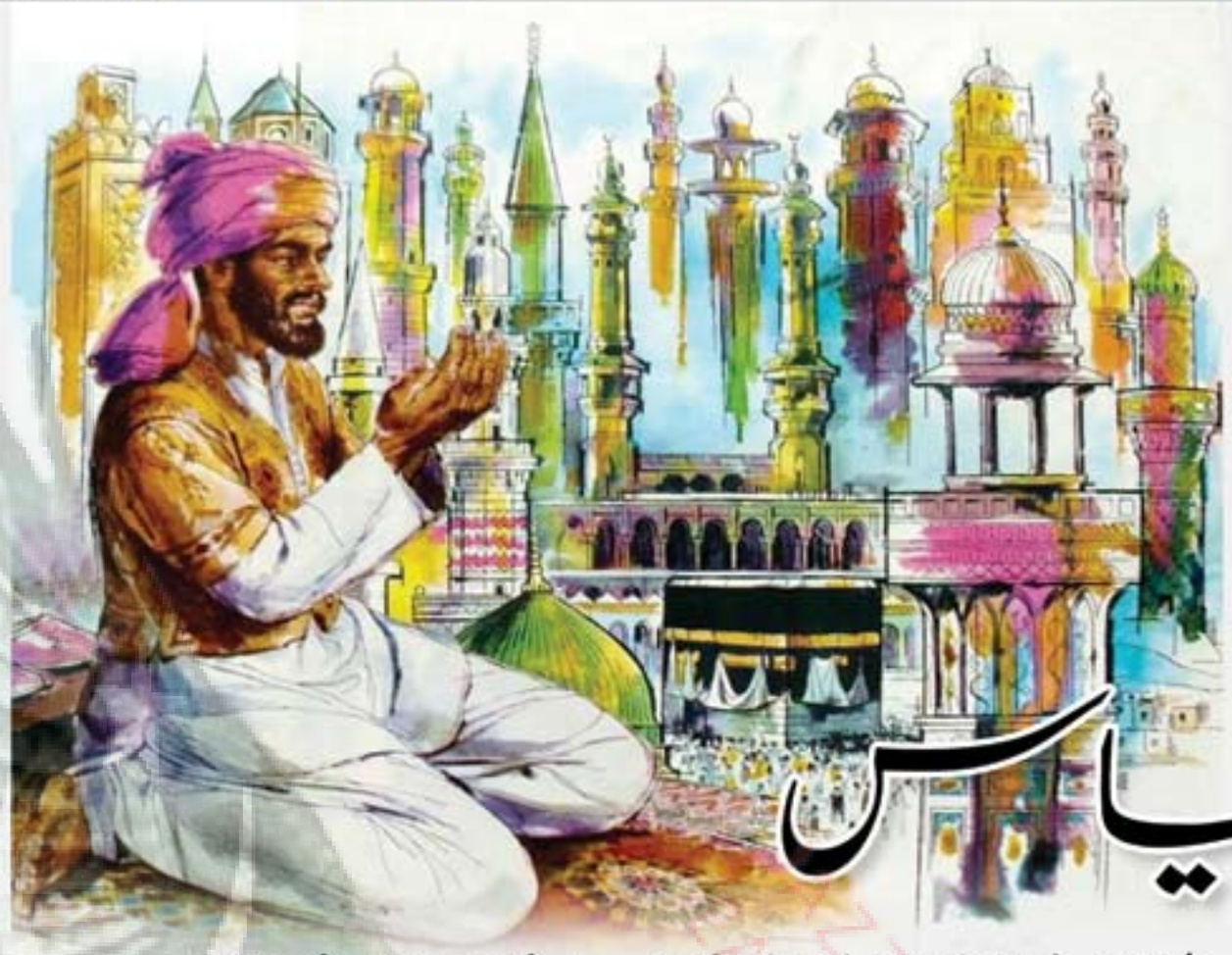

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ''جسم'' اور ''روح'' دو چیزوں کے مرکب سے بنایا ہے۔ جسم نے روح کو اپنے اندر سمو رکھا ہے۔ لیکن انسان کی حقیقت بنیادی طور پر روح سے ہے۔ جسم تو صرف روح کی نمائندگی کرتے ہوئے اس کی جسامت کو دکھاتا ہے۔ جس طرح روح جسم کے لیے ضروری ہے اسی طرح جسم بھی روح کے لیے ضروری ہے۔ روح ایک بہت ہی پاکیزہ چیز ہے جو جسم کی طرح دکھائی نہیں دیتی۔ اسے بھی جسم کی طرح بھوک پیاس لگتی ہے لیکن اس کا پانی اور کھانا کیا ہے اسے کس وقت دینا ہے۔ بدقسمتی سے ہم میں سے بہت لوگ نہیں جانتے اور اسے بھوکا پیاسا رکھتے ہیں اور جب روح ہی بھوکی پیاسی رہے گی تو انسان کا اپنا ذاتی اندرونی انتشار کیسے ختم ہوگا۔ جسم کی طرح روح کی بھی غذا ہوتی ہے اسے بھی بھوک پیاس لگتی ہے۔ ایمانیات، احساسات، جذبات، اخلاقیات اور تصورات یہ سب روح کی غذا ہیں۔ خواہشات، فسادات، تفریقات یہ سب جسم کی غذا ہیں۔

''جسم'' اور ''روح'' کی ضروریات الگ الگ ہیں۔ بہت کم لوگ اس بارے میں جانتے ہیں اور اس لاعلمی کی وجہ سے بے راہ روی، بے چینی، پریشانی اور اندرونی انتشار کا شکار ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارا نوجوان بڑی بری طرح اس حوالے سے میڈیا کا شکار ہے۔ گزشتہ چند برسوں میں ہمسایہ ملک کی طرف سے آنے والی بہت سی فلموں اور گانوں نے ہمارے جوان کی روح اور روحانیت کے حوالے سے بڑی غلط ذہن سازی کی ہے۔ ہمارا مسلمان نوجوان اس لیے بے مقصدیت اور بے راہ روی کا شکار ہے کیونکہ وہ محبت کے اصل معنی ہی نہیں جانتا اور روحانی پیاس کے معنی کچھ اور سمجھ بیٹھا ہے۔ جب جسم کو کھانا، پانی اور ضروریات زندگی نہیں ملتی وہ فریاد کرتا ہے۔ اسی طرح ''روح'' کھانا، کپڑے، موسیقی اور کسی بھی دنیاوی لذت کو نہیں جانتی۔ اسے کچھ اور چاہیے۔ جب ''روح'' کو اپنی پسند کا کھانا نہیں ملتا تو وہ فریاد کرتی ہے اور اس کی پریشانی ویرانی بن کر سارے جسم پر طاری ہو جاتی ہے۔ پھر انسان اس ویرانی کو دور کرنے کے لیے روز نئی سے نئی جگہ کھانا کھانے چلا جاتا ہے۔ ایک جگہ سے شاپنگ کر کے دل نہیں بھرتا اس سے بھی اچھے شاپنگ مال میں جا کر شاپنگ کرنے کی خواہش بڑھ جاتی ہے۔ ایسے کام کر کے اسے لگتا ہے کہ وہ اپنے اندر کی ویرانی اور کرب کو کم کر رہا ہے۔ مگر حقیقت میں انسان اپنی ویرانی کو اور بڑھا رہا ہوتا ہے۔ کبھی آپ محسوس کریں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ اچھے سے اچھی جگہ کھانا کھا کر اچھے سے اچھا لباس پہن کر بھی انسان مزید اچھے سے اچھے کی خواہش میں ہی مبتلا رہتا ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں انسانی روح کی پیاس اپنے عروج پر پہنچ چکی ہوتی ہے اور ہم اپنی ہی روح کو سمجھ نہیں پا رہے ہوتے کہ اس کی ویرانی کو کیسے کم کریں اور جسم کو روز نئی سے نئی لذتوں میں ڈال کر خود کو وقتی تسکین دیتے رہتے ہیں خود کو بہلاتے رہتے ہیں۔ جس سے اندر کی ویرانی بڑھتی رہتی ہے کم نہیں ہوتی۔

روح اللہ کا ایک لطیف امر ہے جس کا علم اللہ نے انسان کو نہیں دیا۔ روح ہمارے جسم کا اصل ہے۔ جس طرح جسم کے بننے کا نظام اور ہے اسی طرح روح کے بننے کا نظام بھی اور ہے۔ جسم مٹی سے بنا ہے اس کی خوراک کا انتظام بھی مٹی سے ہی کیا گیا ہے۔ گندم، سبزی، پھل، پانی سب چیزیں زمین یعنی مٹی سے ہی جسم کی پرورش کے لیے نکالی جاتی ہیں۔ روح آسمان سے آئی ہے اس کی غذا بھی اللہ نے آسمان سے اُتاری ہے۔ روح کو اللہ اور اس کے رسولؐ کا تعلق چاہیے۔ جیسے اللہ نے ہمارے جسم میں روٹی اور پانی کی طلب کو بے ساختہ رکھ دیا ہے اسی طرح انسانی روح میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور رسولؐ کی طلب رکھ دی ہے جو نکل نہیں پاتی۔ روح کا تعلق جب تک اللہ اور رسولؐ سے نہیں جڑتا اس کی بھوک اور پیاس بڑھتی رہتی ہے۔ واصف علی واصف ایک جگہ فرماتے ہیں: ''جس کا اللہ کریم سے رابطہ نہ ہو وہ روح تکلیف میں ہوتی ہے۔ چاہے جسم کتنی ہی راحت میں ہو۔ جس کا اللہ کے ساتھ رابطہ ہو جائے وہ روح راحت میں ہے، جسم راحت میں ہو یا نہ ہو۔'' روح جسم کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہے اس لیے اس کی پریشانی بھی جسم سے زیادہ ہے۔ جس طرح ہم روز ایک ہی طرح کا کھانا نہیں کھا سکتے اسی طرح روح کو بھی ایک من پسند دسترخوان چاہیے۔ جہاں سے وہ اپنے پسندیدہ کھانے کھا کر تر و تازگی محسوس کر سکے۔ لیکن افسوس روح کے دسترخوان اور اس کی پسندیدگی کا ہم نے بہت ہی کم انتظام کیا ہے۔ روح کا دسترخوان کیا ہے؟ روح کا دسترخوان ہے قرآن مجید، حدیث، سیرت، شریعت۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا روحانی دسترخوان ہے۔ قرآن ہمیں تقویٰ سکھاتا ہے، صلہ رحمی کا درس دیتا ہے۔ شیطان سے نفرت اور دوزخ سے خوف دلاتا ہے۔

قرآن میں اللہ اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ یہ قرآن کا روحانی دسترخوان ہے جس پر ہزاروں طرح کے روحانی کھانے اللہ نے انسان کی روح کے لیے سجا دیے ہیں۔ اسی لیے کسی نے کیا خوب کہا ہے ''وہ روح کبھی نہیں مرجھاتی جس کی پیاس قرآن کی تلاوت سے بجھتی ہو''۔ اگر انسان صرف روزانہ تلاوت قرآن پاک کو اپنا معمول بنا لے تو ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ وہ اس کے ترجمہ اور تفسیر کو بھی پڑھنے کی خواہش ضرور کرے گا لیکن اس سے پہلے قرآن کو کھولنا ضروری ہے اس نیت کے ساتھ کے یہ کتاب ہدایت ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جو زندگی کا دستور لائی ہے۔ انسان کی زندگی کی دنیاوی اور اُخروی ساری کامیابیاں اسی کتاب کے ساتھ جُڑی ہوئی ہیں۔ قرآن مجید کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ قرآن کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی ہمیں جینے کا وہ ڈھنگ سکھاتی ہے۔ جو اللہ کو مطلوب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حدیث کا مطالعہ کیے بغیر کوئی انسان بھی اسلام کے مکمل نظام حیات کو نہ سمجھ سکتا ہے نہ عمل کر سکتا ہے۔ قرآن، حدیث، سیرت، شریعت ان سب کے مطالعے کے بغیر انسان کی روحانی پیاس کم نہیں ہو سکتی۔ اللہ اور رسول کی محبت ہمارے جسم کے لیے روح ہے۔

گھر بیوی، خاوند، خاندان، معاملات، قانون، عدالت، سیاست یہ سب جسم ہیں۔ اللہ قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کو اپنے دل میں آباد کرنا' ان کی یاد سے دلوں کو روشن کیے رکھنا اصل زندگی ہے۔ جب تک دلوں میں اللہ کے ذکر کا دیا نہیں جلے گا اور معاملات زندگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی' روح کی پیاس بڑھتی جائے گی' نہ انسان کا اندرونی انتشار ختم ہوگا اور نہ ہم معاشرے کو بے راہ روی سے بچا سکیں گے۔

آزادی کا کاروبار

سیدہ تبسم

ایک بار پھر یوم آزادی اپنی پوری ظاہر شان و شوکت سے منا کر قوم فارغ ہوگئی۔ جھنڈیوں' پرچموں' ریلیوں' ملی نغموں کی گونج ہمیں یاد دلاتی رہی کہ ہم آزاد ہیں۔ ہر سال بڑھتا ہوا جھنڈیوں اور پرچموں پر قوم کا لگنے والا پیسوں کا گراف آزادی کے جذبات کا پیمانہ قرار پا رہا ہے۔ یعنی اس بار بھی عوام منہ مانگے دام وصول کر کے آزادی کا کاروبار کرتے رہے اور خریدنے والے اپنی استطاعت کے مطابق ''آزادی'' خریدتے رہے۔ اس سال آزادی ہم نے نئے پاکستان میں منائی جہاں ہر طرف تبدیلی کے دعوے اور نئے پاکستان کی گونج ہے۔

آزادی کے حسین منظر میں قربانیوں کی ایک نہیں' ہزاروں داستانیں ہیں۔ آزادی کی اصل قیمت جن لوگوں نے چکائی ہے وہ ہمارا حال دیکھ لیں تو خون کے آنسو روئیں۔

اس نعمت کے وارث ہو کر بھی بدقسمتی سے ہم قیام پاکستان سے تاحال مقاصد پاکستان کے حصول سے کوسوں دور ہیں۔ کل ہم برطانیہ کے غلام تھے آج ہم امریکی سامراج کے غلام ہیں' ہندو ثقافت کے غلام ہیں' چینی مصنوعات کے غلام ہیں۔

یہ غلامی کبھی نہ ہوتی اگر ہم نے اپنے ذہنوں کو آزاد رکھا ہوتا۔ اللہ کا غلام ہونے کے بعد کسی کے بھی نظریات و عقائد کو قبول کرنا شرک ہے۔ اس جرم کا ارتکاب کرنے کے بعد اللہ کی رحمت ہم سے روٹھ گئی اور ہم اندرونی و بیرونی سازشوں میں روز بروز جکڑتے جا رہے ہیں' شکنجے میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔

بظاہر ہم آزاد ہیں مگر کس میں آزاد ہیں؟ منافقانہ رویہ اختیار کرنے میں آزاد ہیں کہ پاکستان کے دستور میں اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا ہے اور اس کے باوجود لادینی نظریات ٹھونسنے والوں کو روک نہیں سکتے ہیں۔

ہم آزاد ہیں بداخلاقی میں کہ حالیہ انتخابات کے موقع پر امیدواروں نے اپنے حریف امیدوار کی مخالفت میں ایک دوسرے کے کردار پر خوب خوب کیچڑ اچھالی اور اخلاق کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔

ہم آزاد ہوتے ہوئے بھی اپنا میڈیا یہودیوں اور عیسائیوں کو فروخت کر چکے ہیں اور وہ قوم کو بے حیائی' رقص و موسیقی اور غلط پروپیگنڈے کے ذریعے گمراہی کے راستے پر بگٹٹ لیے جاتے ہیں۔

سب کو جھوٹ کی' مکر و فریب کی اور کرپشن کی آزادی ہے' کوئی پکڑا بھی جائے تو عدالتی نظام کی طویل راہ داریوں میں اپنی زندگی آرام سے گزار کر بغیر کسی سزا کے دنیا سے چلا جاتا ہے۔ رہی آگے کی منزل تو قبر کا حال مردہ جانے کے گمان پر چھوڑ دیتے ہیں کہ اب وہ مجرم بڑی عدالت میں پیشی بھگت ہی لے گا۔

ہاں ہم آزاد ہیں کہ جیسے چاہیں جئیں۔

مگر سوچنے کی بات ہے اگر یہ سارے رویے درست ہیں تو پاکستان میں طبعی اور اخلاقی ترقی کیوں نظر نہیں آتی؟

کیا کوئی اپنے آپ کو بدلنے پر تیار ہے' اپنے آپ کو بدلنے پر تیار نہیں لیکن پاکستان کو تبدیل کرنے کے لیے یہ کیسی بے قراری ہے۔ قوم کو اس کی بنیادوں پر استوار کرنے سے ہی ملک مشکلات سے نکل سکتا ہے اور ہماری بنیاد پاکستان کے مطلب سے ہی خوب اچھی طرح واضح ہوتی ہے جو لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اس سے روگردانی کر کے ہم دنیا میں بھی پس ماندہ رہیں گے اور آخرت میں آزادی کی نعمت کا سوال کیا جائے گا تو کہنے کو کچھ بھی نہ ہوگا۔

بستے ہیں اک ہی وطن میں مگر/ حیا مشعال

برسوں پہلے ہم نے
نظام مصطفوی کی خاطر
زمیں کا جو ٹکڑا پایا تھا
اسی کے اک حصے کو
ہم نے چھوڑ رکھا ہے
وہاں کے باسی صبح و شام
اب بھی آزادی کی خاطر
سسکتے ہیں تڑپتے ہیں
بہت فریاد کرتے ہیں
مگر ان کو بچانے کو
نہ ہم سسکے نہ ہم تڑپے
نہ ہی اقدام کرتے ہیں
بستے ہیں اک ہی وطن میں مگر
ان کے سسکنے پر
نہ ہم فریاد کرتے ہیں
نہ ہی اقدام کرتے ہیں

آٹھویں جماعت کے بچے پورے اسکول میں مشہور تھے، نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں ان کو کوئی نہیں ہرا سکتا تھا، سب ہی مختلف صلاحیتوں کے حامل تھے اور انہوں نے اپنے گروپ بنائے ہوئے تھے ،ایک گروپ کوئز میں بازی لے جاتا تو ایک کو کھیل کے میدان میں مات نہیں تھی، کوئی تقریر بہترین کرتا تو کوئی شاعری، تو کوئی تمام اسکولوں سے مصوری میں انعام جیت کر آتا۔

ایک دن اردو کی ٹیچر نے سوچا کے کچھ دن بعد کچھ اسکولوں کے درمیان بیت بازی کا مقابلہ ہونے والا ہے تو کیوں نا بچوں کا امتحان لے لیا جائے، انہوں نے کلاس میں آکر بچوں سے شعر سنے جو حسب توقع سب نے بہترین سنائے، جس سے وہ بھی مطمئن ہوگئیں، کیونکہ ان کو ہر حرف سے شعر یاد تھے کہ اچانک ان کو ایک خیال آیا اور انہوں نے کہا کہ " آپ میں سے کسی نے بھی ڑ سے شعر نہیں سنایا"۔

سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے آخر ایمن بولی "مس ڑ سے تو کوئی لفظ ہی شروع نہیں ہوتا تو شعر کیسے ہوگا"۔

"اچھا تو پھر ڑ سے سنا دیں" مس مسکراتے ہوئے بولیں۔

"مس۔۔۔۔۔" سب ایک ساتھ بول اٹھے۔

"مس ڑ سے بھی کوئی لفظ نہیں آتا" ماہ نور نے کہا۔

"سوچیں، دماغ لڑائیں،" مس کو بھی ان کو چیلنج کرنے کا شوق ہوا۔

"اچھا چلیں آپ کو کل تک کا ٹائم دیا، کل اسی پیریڈ میں، میں آپ سے ڑ اور ڑ سے اشعار سنوں گی" یہ کہہ کر وہ کلاس سے چلی گئیں، اگلا پیریڈ فری تھا سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے، مگر کسی کے سمجھ نہیں آیا پھر طے پایا کہ گھر جا کر واٹس اپ گروپ پر بات کریں گے اور اس کا حل نکالیں گے۔

دوسرے دن جب ٹیچر کلاس میں آئیں تو بچوں کے لٹکے ہوئے چہروں کے بجائے پر جوش انداز کو دیکھ کر حیران رہ گئیں" لگتا ہے کہ آپ لوگوں نے میدان مار لیا"؟

" آ گئے شعر" انہوں نے بے یقینی سے پوچھا۔

"یس مس آ گئے"۔

"بائیں، مگر کیسے؟" ان کے منہ سے بے اختیار نکلا تو سب کو ہنسی آ گئی مگر فوراً ہی سب نے کنٹرول کر لی کہ وہ جانتے تھے کہ با ادب با نصیب، اور استادوں کا تو وہ سب سے زیادہ ادب کرتے تھے۔

"مس میں سناؤں" ایمن نے کہا وہ مس کو شرمندہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"جی جی بالکل، میں بھی تو اپنی شاعروں کی شاعری سنو"۔

زبردست

مریم شہزاد

"عرض کیا ہے،" اس نے گلا کھنکھارا۔

"ڑ کے اوپر ط ہوتی ہے جناب یقین نہ آئے
تو دکھا دوں کتاب"

واہ واہ، واہ پوری کلاس نے داد دی۔

اب حفصہ کھڑی ہوئی۔

"ڑ کہتا ہے میں بھی ہوں اکیلا شوق سے کھاتا
ہوں میں کیلا"۔

اب ماہ نور کی باری تھی۔

"ڑ سے کوئی لفظ شروع ہوتا نہیں پھر بھی اس سے کوئی ڈرتا نہیں"۔

ایک شعر رمشا نے سنایا

"ڑ کے بعد ز پھر س، ش، ص، ض کرتے رہو تم زور شور سے ریاض"۔

بس بس اب ڑ کا بھی کوئی شعر ہے یا نہیں، مس نے پوچھا تو جویریہ بولی۔

کیوں نہیں مس لیجیے سن لیں۔

"ڑ کا مطلب تو مجھے معلوم نہیں اس کو پڑھنا بھی مگر آساں نہیں"۔

"بہت اچھے" مس نے بھی داد دی۔

اب ایمن نے سنایا۔

"ژالہ باری شروع ہوگئی گلگت اور ناران میں گرمی بڑھ گئی مگر کراچی اور حیدر آباد میں"۔

اف گرمی، کیا کہنے، پیچھے سے آوزیں آئیں۔

"ژالہ باری میں مزا آتا ہے کافی کا گرم گرم چائے اور سوپ کا"

فاکہہ کے اس شعر پر مس نے کہا "تھوڑا بے وزن ہے، مگر چلے گا"۔

"بس،؟" مس نے پوچھا۔

سب نے داد طلب نظروں سے مس کو دیکھا۔

"ماشاء اللہ بہت اچھے، مگر ملے کہاں سے آپ کو یہ اشعار، کس شاعر نے لکھے کبھی میری نظر سے تو نہیں گزرے" انہوں نے تجسس سے پوچھا۔

"مس یہ تو ہماری ایمن اور فاکہہ نے شاعری کی ہے" حفصہ نے بتایا تو مس نے ان کی بھرپور تعریف اور حوصلہ افزائی کی اور کہا "یقیناً اس دفعہ بھی ہمارا اسکول ہی جیتے گا"

سب بچوں نے ایک ساتھ کہا

ان شاء اللہ

●●

خزانہ

مناحل امجد

فیضان ایک ذہین طالب علم تھا اسے مطالعے کا بڑا شوق تھا وہ نصابی کتب کے علاوہ دیگر کتب کا مطالعہ بھی کرتا کچھ عرصے سے فیضان اپنے نصاب کے بجائے دیگر مطالعے میں دلچسپی لے رہا تھا اس کو جاسوسی کہانیوں میں خصوصی دلچسپی تھی جس میں مہم جوئی، سنسنی خیزی خاص طور پر ہوتی اسی نوعیت کی کتب پڑھنے سے اس کی طبیعت میں بھی مہم جوئی کا عنصر شامل ہو گیا وہ ہر بات کو سنسنی خیز انداز میں بیان کرنے لگا تھا اور اس کی گفتگو میں مہم جوئی خزانے کی تلاش کا ذکر اکثر رہتا۔

فیضان کے اس بدلتے ہوئے مزاج کو سب ہی محسوس کر رہے تھے اب تو وہ بہت شدت کے ساتھ خزانے کی تلاش کا ذکر اپنے قریبی دوست ذیشان سے کیا کہ میں بہت جلد ایک بہت بڑا خزانہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور پھر میرے پاس ہیرے ہی ہیرے اور جواہرات ہی جواہرات ہوں گے میں نے ایک خزانے کا نقشہ بھی حاصل کر لیا ہے جلد

اپنی مہم پر روانہ ہو جاؤں گا۔ ذیشان فیضان کے منصوبے کو سن کر بہت پریشان ہوا اور اسے سمجھانے لگا کہ یہ صرف جاسوسی کہانیوں کے فرضی نقشے ہوتے ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تم کو چاہیے کہ اپنی تعلیم پر توجہ دو علم سب سے بڑی دولت ہے فیضان پر تو خزانے کی تلاش کا بھوت سوار تھا اس نے کہا کہ ذیشان تم کیا جانو۔

ذیشان اس گفتگو سے بڑا ہی فکر بند ہوا اور سوچنے لگا کہ کہیں فیضان کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے اس نے کلاس ٹیچر سے اس سلسلے میں بات کی کلاس ٹیچر سرنواز ایک ایسے استاد تھے جو اپنے طالب علموں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی توجہ دیتے تھے انہوں نے فیضان کو بلایا اور اس کے شوق اور مطالعے سے متعلق بات کی فیضان نے بڑی شدت کے ساتھ اپنی مہم جوئی کا ذکر ان سے بھی کیا انہوں نے سمجھایا کہ بیٹا یہ سب جاسوسی کہانیوں کے فرضی قصے ہوتے ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور غیر ضروری مطالعے سے پرہیز کرو غیر نصابی کتب کا مطالعہ ضرور کرو مگر ایسی کتب کا کرو جو آپ کی تعلیم میں فائدہ مند ہو۔

ایک روز فیضان اپنی مہم جوئی کے خبط میں مبتلا ایک جاسوسی ناول کے مطالعے میں مصروف اسکول سے آتے ہوئے ایک کار سے ٹکرا گیا اسے اسپتال لے جایا گیا یہ اطلاع آئی کہ اسے خون کی ضرورت ہے فوراً ہی ذیشان اپنے دوستوں سمیت اسپتال پہنچ گئے وہاں فیضان کے والد موجود تھے انہوں نے بچوں کی اس ٹیم کو دیکھا تو پوچھا بیٹا آپ لوگوں نے کیوں زحمت کی۔ ذیشان نے کہا کہ انکل ہمیں پتا چلا کہ فیضان کو خون کی ضرورت ہے ہم اسی لیے آئے ہیں فیضان کے والد نے بچوں کے جذبات پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ فیضان کو ڈاکٹر دیکھ رہے ہیں اور طبیعت بہتر ہے پریشانی کی کوئی بات نہیں وہ سب بچوں کو لے کر فیضان کے پاس گئے اور فیضان کو مخاطب کرتے ہوئے بیٹا آپ کے دوست ذیشان آپ کے دیگر دوستوں کے ساتھ آپ کی خیریت معلوم کرنے اور ضرورت کے مطابق آپ کو خون دینے آئے ہیں کیا آپ انہیں اپنی مہم کے بارے میں بتانا پسند کریں گے فیضان نے مسکراتے ہوئے اپنے دوستوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ابو یہ حادثہ میری غلطی کی وجہ سے ہوا میں خزانے کی تلاش کے منصوبے نامی کتاب پڑھتے ہوئے جا رہا تھا کہ یہ حادثہ ہو گیا۔ ابو خزانوں کی باتیں فضول ہیں میرا اصل خزانہ تو یہ دوست ہیں جو میری تکلیف کا سن کا تڑپ اٹھے اور میری مدد کو اسپتال پہنچ گئے یہ ہی میرے ہیرے اور جواہرات ہیں اور ذیشان نے درست کہا تھا کہ اصل دولت تو علم ہے اور اب میں اپنا تمام وقت علم کے حصول پر ہی صرف کروں اور فضول اور غیر ضروری مطالعے سے میری توبہ۔

●●

"یہ ہیں وہ بچے جنہیں اگلی کلاس میں پروموٹ نہیں کیا جا سکتا، ان کے مختلف مضامین میں بری طرح فیل ہونے کی وجہ سے" پرنسپل کی سکریٹری نے نتائج کے اعلان (رزلٹ ڈے) والے دن ان کے آفس لے جا کر کہا۔

"یہ بچے ناکام ہوئے ہیں، یہ ان کی رپورٹ کارڈز ہیں جنہیں آپ دیکھ سکتے ہیں"

رپورٹس کی بس جھلک ہی دکھائی دے رہی تھی۔ شرمندگی کی وجہ سے کوئی بھی سر نہیں اٹھا پا رہا تھا۔ سب خوفزدہ تھے کہ پرنسپل نہ جانے کیا سلوک کریں گے۔

"یہ بچے ناکام نہیں ہوئے مس شہلا" پرنسپل نے سکریٹری سے کہا۔

"جو بچہ علم حاصل کرنے کے لئے گھر سے آئے وہ ناکام نہیں ہو سکتا علم کو اہمیت دینا ان بچوں کو ایک دن کامیاب بنا دیگا، یہ بچے ناکام ہرگز نہیں ہوئے، بلکہ ایک سال اور پڑھ کے اور پکے ہونگے، اور مہارت حاصل کرینگے"

مس شہلا حیرت زدہ تھیں۔۔ انکو پرنسپل کے ان تاثرات کی توقع نہ تھی۔

"فاتح کون ہے؟" پرنسپل کے سوال سے فاتح کا دل زور زور سے نہیں، مگر ذرا تیز دھڑکنے لگا۔

"میں سر!"

"اچھا" پرنسپل نے بس "اچھا" کہنے پر اتفاق کیا۔

ناکام

ہادیہ امین

" آپ لوگ اگر کسی ایک مضمون میں فیل ہیں تو یہ ہرگز مطلب نہیں کہ آپ ہمیشہ فیل ہی رہیں گے"

فاتح سوچنے لگا میرا کیا ہوگا! بیچارہ تمام مضامین میں ہی فیل تھا۔

"قدرت نے کوئی انسان بے کار نہیں بنایا، آپ کی کوئی صلاحیت ایسی ضرور ہوگی، جو صرف آپکی ہوگی"

فاتح نے سوچا میرے اندر تو کوئی صلاحیت نہیں ہے، سرے سے ہی نہیں ہے، گھر میں بھی سب نالائق کہتے ہیں، اب کیا ہوگا جب میں رپورٹ کارڈ دکھاؤں گا۔

"مزید محنت کریں، فارغ نہ رہیں، آپ۔ بہت کچھ کر سکتے ہیں" یہ بات خصوصاً فاتح کی طرف دیکھ کر کہی گئی جس کی پوری رپورٹ ہی لال تھی۔ ساتھ ہلکی مسکراہٹ بھی فاتح کو دی گئی۔

گھر پہنچ کر فاتح کو خوب ڈانٹ پڑی۔ وہ رات میں بھی بستر پر لیٹا روتا رہا۔

"میں کیوں ہوں ایسا، پڑھتا ہوں پھر بھی فیل ہو جاتا ہوں"

"یہ مطلب نہیں کہ آپ ہمیشہ فیل ہی رہینگے" کہیں دور سے پرنسپل کی آواز نیند میں بند ہوتی آنکھوں میں اسکے کانوں کو سنائی دی۔

"کوئی انسان بیکار نہیں ہوتا" خواب میں بھی پرنسپل کی آواز کانوں میں گونج رہی تھی۔

اگلے دن فاتح نئی کلاس میں بیٹھا، کلاس میں بچے اس سے ایک سال چھوٹے تھے، مگر سب فاتح کے دوست تھے، اردو میں فاتح کمزور تھا اور کمزور ہی رہا مگر سائنس اور حساب میں وہ اچھا جا رہا تھا۔

وقت اسی طرح گزرتا رہا۔۔ فاتح نے گزرتے لڑھکتے تعلیم حاصل کی اور پھر مستقبل کے بارے میں سوچنے لگا۔۔ ایک طرف اسکو نالائق کہنے والے لوگ تھے جن میں وہ خود بھی شامل تھا، دوسری طرف پرنسپل صاحب کے برسوں پہلے کہے گئے الفاظ تھے کہ کوئی انسان بیکار نہیں ہوتا۔۔ فاتح ان دونوں کے بیچ میں کھڑا تھا۔

"اے اللہ! مجھے تو نے بنایا ہے اور پرنسپل صاحب نے کہا تھا کہ تو نے بے کار کسی کو نہیں بنایا۔۔ رزق تو صرف تیرے ہاتھ میں ہے، میں پڑھائی میں اچھا نہیں ہوں مگر میں انسان بہت اچھا ہوں، کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، مجھے ترقی عطا فرما"

بارہ سال بعد۔۔۔

آج غریب بچوں کے لیے کھولے جانے والے اسکول کی افتتاحی تقریب تھی۔ پرنسپل صاحب زمانے پہلے جاب سے ریٹائر ہو گئے تھے۔۔ گھٹنے اور آنکھیں بہت زیادہ کام نہیں کرتے تھے مگر اس افتتاحی تقریب میں انکو بہت اسرار سے بلایا گیا تھا۔۔ وہ وہیل چیئر پہ بیٹھے، انکے پاس ایک پلیٹ میں فیتہ کاٹنے کیلئے قینچی لائی گئی۔۔ انہوں نے فیتہ کاٹا، اسکول کے اندر داخل ہوئے تو جلی حروف میں لکھا تھا، "پرنسپل محمد عنایت اسکول بائے فاتح انڈسٹریز"

آنکھیں کمزور ہونے کے باوجود پرنسپل صاحب پڑھ سکتے تھے۔۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔۔ فاتح نے اللہ سے دعا مانگنے کے بعد اپنا چھوٹا سا کاروبار شروع کیا۔۔ شروع میں ناکامیوں کو دیکھنا پڑا مگر انتھک محنت اور اچھی نیت نے فاتح کو خوب ترقی دی، آج بہت قابل لوگ فاتح کے آفس میں کام کرتے تھے، سب فاتح سے خوش تھے۔ یہ سچے دل سے کہے گئے پرنسپل صاحب کے الفاظ کی طاقت تھی جنہوں نے فاتح کو ہمت نہیں ہارنے دی۔۔ آج فاتح نے پرنسپل کے نام سے ایک اسکول کھولا ہے جس میں غریب بچوں کو مفت تعلیم دی جائے گی اور پھر یہاں سے جو بھی قابل انسان بن کر نکلے گا، اسکا سہرا فاتح اور پرنسپل صاحب کے سر بھی ہوگا۔۔ ان شاء اللہ۔۔ اللہ تمام بچوں کو سنتوں پر عمل کرنے والا اچھا انسان بنائے اور علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

●●

نکھٹو میاں

حبیب الرحمن

بچو! میری باجی کی سنائی ہوئی کہانیوں میں سے ایک اور مزے کی کہانی میں آپ کو سنانے لگا ہوں۔

ایک صاحب گھر میں رہنے کے اتنے عادی تھے کہ کبھی کسی کے گھر گئے ہی نہیں۔ حد یہ ہے کہ کسی کی دعوت کو بھی کبھی قبول نہیں کیا۔ ان کے گھر والے ان کی اس بات سے بہت ہی پریشان رہتے تھے۔ کوئی کام کاج بھی نہیں کیا کرتے تھے بس ہر وقت یا تو سوتے رہتے یا چارپائی پر لیٹے رہتے۔ ان کی اسی مردم بیزاری اور کاہلی کی وجہ سے انھیں ان کی بیوی، ماں، باپ، بہنیں اور بھائی نکھٹو میاں کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

ایک دن نکھٹو میاں کے ایک دوست ان سے ملنے آئے۔ نکھٹو میاں کی بیوی نے ان کے دوست سے شکایت کی کہ آپ کے یہ دوست کیسے نکھٹو اور کاہل ہیں۔ ہر وقت گھر میں پڑے رہتے ہیں۔ مجال ہے جو گھر سے نکل کر کسی عزیز، رشتے دار یا دوستوں کے گھر جائیں۔ ہر وقت یا تو سوتے رہتے ہیں یا خوامخواہ چارپائی توڑتے رہتے ہیں۔ ان کے دوست نکھٹو میاں کی عادت سے بہت اچھی طرح واقف تھے اور آج تو وہ عہد کر کے آئے تھے کچھ بھی ہو جائے وہ نکھٹو میاں کو دعوت میں لے کر ہی جائیں گے۔ وہ صاحب جو نکھٹو میاں سے ملنے آئے تھے ان کے ایک اور دوست نے انھیں اپنے گھر دعوت پر بلایا تھا۔ دوست نے اپنے دوست کی بیوی سے کہا، بھابی آپ فکر نہ کریں، آج تو میں انھیں اپنے ساتھ لے جا کر ہی دم لوں گا۔ ہمارے ایک دوست نے ہمیں دعوت پر بلایا ہے اور کہا ہے کہ میں نکھٹو میاں کو بھی ضرور ساتھ لے کر آؤں۔ یہ سن کر نکھٹو میاں کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار پیدا ہو گئے۔ اور کہا کہ میں تو کبھی نہیں جاؤں گا۔ نکھٹو میاں خود تو منحنی سے تھے یعنی بہت ہی دبلے پتلے جب کہ ان کے دوست کافی لمبے چوڑے اور طاقتور تھے۔ انھوں نے ہنس کر کہا کہ نکھٹو میاں اگر آپ نے انکار کیا تو میں آپ کو گود میں اٹھا کر لے جاؤں گا۔ یہ سننا تھا کہ چہرے کا زلزلہ پورے بدن پر چھا گیا اور یوں کانپنے لگے جیسے سردی لگ کر بخار آ جاتا ہے۔ بہت مچلے، بہت ضد کی کہ وہ نہیں جائیں گے لیکن اپنے دوست کے خطرناک ارادے دیکھ کر جانے کی حامی بھرنا ہی پڑ گئی۔

بے دلی سے اٹھے، غسل خانے کی راہ لی اور نہا دھو کر تیار ہو گئے۔ سارے گھر والے ان کی حالت دیکھ دیکھ کر اور ان کی باتیں سن سن کر بہت ہنس رہے تھے۔ جب وہ گھر سے رخصت ہوئے اس وقت بھی ان کے ہاتھ پاؤں کپکپا رہے تھے لیکن دوست کی ضد کے آگے وہ اپنی چلا نہ سکے۔

یہ پرانے وقتوں کی بات تھی۔ گلیاں اور بازار کچے ہوا کرتے تھے اور ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تو کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر چل کر فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا۔ جہاں دعوت کا اہتمام تھا وہ گھر کافی فاصلے پر تھا اس لیے کافی دیر میں راستہ طے ہوا۔ نکھٹو میاں کیونکہ چلنے پھرنے کے اتنے عادی نہ تھے اس لیے کچھ ہی دیر میں ان کے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے۔ بچو! پیٹ میں چوہے دوڑنے کا مطلب بہت زیادہ بھوک لگنا ہوتا ہے۔ جب کسی کو بہت زیادہ شدت سے کھانے کی خواہش ہو تو کہا جاتا ہے کہ پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔ جس دوست کے گھر دعوت تھی وہاں پہنچنے میں کافی وقت لگا لیکن پھر بھی دوپہر کے کھانے میں ابھی دیر تھی۔ نکھٹو میاں کا بھوک کے مارے برا حال تھا لیکن یہ ان کا گھر تو نہیں تھا کہ بیوی، ماں یا بہن پر اپنا رعب جھاڑ کر کام نکال لیتے۔ خدا خدا کر کے کھانا دسترخوان کی زینت بنا۔ نکھٹو میاں نے کھانا چنے جانے کی دوران کئی مرتبہ ہاتھ بڑھا کر یہ چاہا کہ اپنی پلیٹ میں کھانا انڈیل لیں لیکن ان کے دوست نے کمال ہوشیاری سے انھیں ایسا کرنے سے باز رکھا۔ جب سارا کھانا دسترخوان پر سج گیا تو کھانے پر موجود افراد نے اپنی اپنی پسند اور بھوک کے مطابق اپنے لیے کھانا اتارا، نکھٹو میاں کے سامنے "کھچڑی" کی ڈش آئی تو اس میں سے اٹھتی ہوئی چاولوں کی مہک سے ان کی رال کئی بار ٹپکتے ٹپکتے رہ گئی۔ ان کو چاول بہت ہی پسند تھے لیکن ان کے گھر میں کھچڑی کبھی نہیں پکی تھی۔ ایک جانب تو کھلے کھلے چاول، پھر مونگ کی دال کی اجلی رنگت اور پھر اصلی گھی کی خوشبو، نکھٹو میاں پر تو جیسے جادو ہو گیا۔ چاول بیشک ان کی کمزوری تھے لیکن کھچڑی کا نام تو انھوں نے کبھی سنا ہی نہیں تھا۔ بھوک جب زوروں پر ہو اور کوئی من بھاتی ڈش آنکھوں کے سامنے ہو تو پھر ہاتھ کیسے رک سکتا تھا۔ انھوں نے اپنی پلیٹ کھچڑی سے بھر لی اور دل میں سوچا کہ دعوت کھانے کے بعد جب گھر جا رہے ہونگے تو میں اس ڈش کا نام اپنے دوست سے ضرور معلوم کرونگا تاکہ گھر میں اپنی بیوی سے فرمائش کر سکوں۔

کھچڑی کو دوست کے گھر والوں نے خاص ڈش کے طور پر مہمانوں کے سامنے پیش کیا تھا اور پکانے والے کے ہاتھ میں بھی ایسا جادو بھرا ذائقہ تھا کہ جس نے بھی کھچڑی کھائی اپنی انگلیاں ہی چاٹتا رہ گیا۔ سب کی طرح نکھٹو میاں کو بھی کھچڑی کھانے میں وہ مزا آیا کہ بھوک سے کچھ سوا ہی کھا بیٹھے۔

کھانے سے فارغ ہو کر نکھٹو میاں اور ان کے وہ دوست جو انھیں اپنے ہمراہ لے کر آئے تھے، میزبان سے باتیں کرتے رہے۔ ان کے گھر والوں، سب چھوٹے بڑوں کی خیریت معلوم کرتے رہے اور اپنے اپنے گھر والوں کا حال احوال بتاتے رہے پھر ان کا شکریہ ادا کر کے جانے کی اجازت چاہی۔

بچو! کھانے کے بعد میزبان کے ساتھ تھوڑا سا وقت ضرور گزارنا چاہیے لیکن دعوت کھانے کے بعد بہت دیر تک مہمان کے گھر بیٹھنا اور اس کا وقت لینا مناسب نہیں تاکہ آپ کے جانے کے بعد گھر والے سارا سامان سمیٹ سکیں اور آرام کر سکیں۔ ایسا کرنا سنت بھی ہے اور آپ کا پسندیدہ عمل بھی۔

گھر سے روانہ ہونے کے فوراً بعد نکھٹو میاں نے اپنے دوست سے دریافت کیا کہ وہ جو دعوت میں ہم نے سفید سفید اور پیلا پیلا کھایا تھا اس کا نام کیا تھا۔ پہلے تو ان کے دوست کو ان کی بات سمجھ میں نہیں آئی لیکن جب سمجھ میں بات آئی تو وہ زوردار طریقے سے ہنسے اور ہنس کر کہنے لگے کہ وہ تو کھچڑی تھی۔ ان کی بات سن کر نکھٹو میاں نے سوچا کہ کہیں میں اس ڈش کا نام نہ بھول جاؤں اسی لیے دل ہی دل میں کھچڑی کھچڑی کی تکرار کرنے لگے۔ کچھ راستہ طے کر کے ان کے دوست نے اپنا گھر کا راستہ پکڑا اور نکھٹو میاں تنہا ہی اپنے گھر کے راستے پر مڑ گئے۔ بھول جانے کے ڈر سے وہ کھچڑی کھچڑی کہتے کہتے کچھ بہک سا گئے اور کھچڑی کی بجائے کھاچڑی کھاچڑی کہنے لگے۔ آس پاس تھا تو کوئی نہیں اس لیے ذرا بلند آواز سے کھاچڑی کھاچڑی کہتے جاتے اور گھر کی جانب بڑھتے جاتے۔ راستے میں ایک کھیت کے قریب سے گزرے تو ان کو کھیت والوں نے پکڑ لیا۔ کھیت والے اپنی فصل کو چڑیوں سے محفوظ رکھنے کیلیے صبح سے چڑیاں اڑاتے اڑاتے تھک چکے تھے۔ جب ان کے کانوں کو "کھاچڑی کھاچڑی" کا شور سنائی دیا تو ان کو بہت غصہ آیا کہ وہ تو چڑیاں اڑا اڑا کر تھک چکے ہی اور کوئی "کھاچڑی کھاچڑی" کہہ کر ان کا مذاق اڑا رہا ہے۔ وہ سمجھے کہ کوئی ان کا ساتھ دینے کی بجائے یہ کہہ رہا ہے کہ چڑیاں کھاؤ۔ سب نے مل کو ان کی اچھی خاصی پٹائی کی اور کہا کہ کھاچڑی کھاچڑی مت کہو، اڑ چڑی اڑ چڑی کہو۔ اب وہ کھاچڑی کھاچڑی کی بجائے اڑ چڑی اڑ چڑی کہتے آگے بڑھتے رہے۔ ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا اور وہ اڑ چڑی اڑ چڑی کہتے ہوئے جا رہے تھے کہ کہیں قریب ہی کچھ شکاری چڑیاں پکڑنے کیلیے ایک بڑا سا جال لگائے بیٹھے تھے۔ بدقسمتی سے صبح سے ایک چڑیا بھی ان کے جال کے قریب نہیں پھٹکی تھی۔ قسمت سے اب کافی تعداد میں چڑیاں منڈلا رہی تھیں اور وہ سب جال کے نیچے پڑے دانوں کی جانب بڑھ ہی رہیں تھیں کہ اچانک نکھٹو میاں کے زور زور سے "اڑ چڑی اڑ چڑی" کہنے کی وجہ سے وہ سب کی سب اڑ گئیں۔ چڑیوں کے شکاریوں کو بہت ہی غصہ آیا اور وہ سب کے سب نکھٹو میاں پر پل پڑے۔ صبح سے ناکامی کا منہ دیکھتے دیکھتے ویسے ہی وہ بہت پریشان تھے کہ نکھٹو میاں کی اڑ چڑی اڑ چڑی کے شور نے جال کے قریب آ جانے والی چڑیوں کو بھی جال سے بہت دور بھگا دیا۔ سب نے ان کی خوب پٹائی کی اور کہا اب اڑ چڑی اڑ چڑی مت کہو بلکہ "آتے جاؤ پھنستے آتے جاؤ پھنستے جاؤ" کہو۔ اب بیچارے نکھٹو میاں روتے جاتے اور یہی کہتے جاتے کہ آتے جاؤ پھنستے جاؤ آتے جاؤ پھنستے جاؤ۔ وہ یہی کہتے جاتے اور گھر کی جانب بڑھتے جاتے۔ ابھی وہ ایک اور گاؤں کے قریب سے گزر رہے رہے تھے کہ اس گاؤں سے کچھ چور چوری کا مال لیکر فرار ہو رہے تھے۔ جب ان کے کانوں میں یہ آواز گونجی کہ آتے جاؤ پھنستے جاؤ آتے جاؤ پھنستے جاؤ تو وہ سب ڈر گئے اور سمجھے کہ کسی پولیس والے نے انھیں چوری کرتے اور چوری کا سامان لیجاتے دیکھ لیا ہے۔ وہ سب درختوں کے پیچھے چھپ کر آواز کی سمت دیکھنے لگے۔ جب انھوں نے غور سے دیکھا تو ان کو ایک پاگل سا آدمی آتے جاؤ پھنستے جاؤ آتے جاؤ پھنستے جاؤ کہتا اور ان ہی کی جانب بڑھتا نظر آیا۔ سب چور اچانک ان کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور سب نے ان کی خوب پٹائی کی اور کہا کہ بدبخت آتے جاؤ پھنستے جاؤ آتے جاؤ پھنستے جاؤ مت کہو بلکہ یہ کہو کہ "لاتے جاؤ دھرتے جاؤ لاتے جاؤ دھرتے جاؤ"۔ نکھٹو میاں کا پٹ پٹ کر اور رو رو کر برا حال پہلے ہی ہوا ہوا تھا، شکل بھی پاگلوں جیسی ہو چکی تھی اس لیے چوروں نے انھیں چھوڑ دیا۔ وہ لاتے جاؤ دھرتے جاؤ لاتے جاؤ دھرتے جاؤ کہتے جاتے، روتے جاتے اور آگے بڑھتے جاتے۔

ایک اور گاؤں کے نزدیک سے نکھٹو میاں کا گزر ہوا تو وہاں ان کی بدقسمتی سے ایک جنازہ آ رہا تھا۔ جب جنازے والوں نے دیکھا کہ کوئی شخص یہ کہتا جا رہا ہے کہ لاتے جاؤ دھرتے جاؤ لاتے جاؤ دھرتے جاؤ تو ان کو تو بہت رنج ہوا۔ ایک تو وہ اپنے ایک عزیز کی موت پر پہلے ہی بہت رنجیدہ تھے اور دوسری جانب کسی کی یہ بک بک کہ "لاتے جاؤ دھرتے جاؤ لاتے جاؤ دھرتے جاؤ" سن کر وہ سب طیش میں آ گئے اور سب نے ہی حسب توفیق نکھٹو میاں کی خوب پٹائی کی۔ نکھٹو میاں جو اب کھچڑی کو بالکل ہی بھول چکے تھے، زور زور سے رونے لگے اور جنازے والوں سے پوچھا کہ پھر میں لاتے جاؤ دھرتے جاؤ لاتے جاؤ دھرتے جاؤ نہ کہوں تو کیا کہوں۔ جنازے والوں کہا، یہ تو بہت غم اور دکھ کا موقع ہے اس لیے تم یہ کہو خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے۔

شام کے سائے پھیلتے جا رہے تھے اور سورج غروب ہونے ہی والا تھا اور ابھی گھر کا فاصلہ کافی باقی تھا۔ تھوڑی دیر میں سورج غروب بھی ہو گیا تھا لیکن اس کا چاند اتنا تھا کہ راستہ دکھائی دے رہا تھا۔ نکھٹو میاں "خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے" کہتے جاتے، روتے جاتے اور گھر کی جانب بڑھتے جاتے تھے۔ ایک اور گاؤں کے قریب سے گزرے تو ایک بارات اپنے ڈھول باجوں کے ساتھ جا رہی تھی۔ جب وہ بارات کے قریب سے گزرے اور باراتیوں نے ان کی یہ بک بک کہ خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے، سنا تو باراتیوں کو آگ لگ گئی۔ خوشی کا موقع ہے اور ایک شخص ہاتھ ہلا ہلا کر چلا چلا کر یہ کہتا جا رہا ہے کہ خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے خدا یہ دن کسی کو نہ دکھائے تو سب باراتیوں نے ان کو گھیر لیا اور خوب ہی پٹائی کی۔ نکھٹو میاں کا پٹ پٹ کر حال برا ہو چکا تھا اس لیے بارات میں شامل سمجھدار لوگوں نے مارنے والوں کو سمجھایا کہ یہ کوئی دیوانہ اور پاگل لگتا ہے، اسے چھوڑ دو۔ مارنے والوں کو سمجھانے والوں کی بات سمجھ میں آ گئی اور انھوں نے نکھٹو میاں کو چھوڑ دیا۔ نکھٹو میاں نے روتے روتے پوچھا کہ پھر انھیں کیا کہنا چاہیے۔ سب نے سمجھایا کہ دیکھو یہ خوشی کا موقع ہے اس لیے کہو کہ خدا یہ دن سب کو دکھائے خدا یہ دن سب کو دکھائے۔ نکھٹو میاں روتے جاتے، چلتے جاتے اور یہی کہتے جاتے کہ خدا یہ دن سب کو دکھائے، خدا یہ دن سب کو دکھائے۔

رات کے سائے پھیل چکے تھے، یہ چراغ بتی کا زمانہ تھا، بڑے بڑے شہروں میں بھی ابھی بجلی نہیں آئی تھی اس لیے تاریکی جلدی غالب آ جایا کرتی تھی۔ گھر پہنچتے پہنچتے رات کی تاریکی اور بھی گہری ہو چکی تھی۔ نکھٹو میاں بہت بری طرح تھک چکے تھے، پورے راستے پٹائی بھی خوب ہوئی تھی، جگہ جگہ خراشیں آئی ہوئی تھیں، منہ بھی کئی جگہ سے سوج چکا تھا، رو رو کے آواز بھی بدل چکی تھی اور کپڑے بھی جگہ جگہ سے پھٹ چکے تھے اس عالم میں جب گھر کے دروازے تک پہنچے تو دہلیز پر ہی ڈھیر ہو گئے۔ بڑی مشکل سے دروازے پر دستک دی تو کچھ دیر کے بعد کسی نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے۔ جواب کیا دیتے کیونکہ ان کے لبوں پر تو خدا یہ دن سب کو دکھائے خدا یہ دن سب کو دکھائے کے علاوہ اور کچھ تھا ہی نہیں۔ ایک تو آواز بالکل بدلی ہوئی تھی دوسرے یہ کہ حلیہ بھی عجیب بنا ہوا تھا اور پھر رات کی تاریکی، گھر والوں نے ہمت کر کے کسی دریچے سے جھانک کر دیکھا تو یہی سمجھے کہ کوئی پاگل یا مجذوب ہوگا اس لیے دوبارہ کنڈی لگا کر سو رہے۔

نکھٹو میاں رات پھر جاگتے سوتے رہے۔ جب جب بھی آنکھ کھلتی یہی ورد زبان پر ہوتا کہ خدا یہ دن سب کو دکھائے خدا یہ دن سب کو دکھائے۔ صبح دم گھر والوں نے دروازہ کھولا تو کسی کو دہلیز پر سوتا جاگتا پا کر پریشان ہو گئے۔ غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ نکھٹو میاں ہی ہیں۔ بڑی مشکل سے گھسیٹ گھساٹ کے گھر کے اندر لائے۔ لاکھ پوچھا کہ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے، آپ کو کیا ہو گیا ہے، کن بدبختوں نے آپ کا یہ حال کر دیا ہے لیکن ہر سوال کے جواب میں وہ اپنی بیوی کو دیکھتے اور یہی کہتے کہ بیگم خدا کے لیے ہمیں "خدا یہ دن سب کو دکھائے خدا یہ دن سب کو دکھائے" پکا کر دو ورنہ ہم مر جائیں گے۔ ان کی مسلسل فرمائش اور لایعنی باتوں سے پورا گھر پریشان ہو گیا۔ بیوی اور ماں رونے دھونے لگیں کہ اس کے بیٹے کو اور بیوی کے شوہر کو آخر ہو کیا گیا ہے۔ کیا یہ پاگل ہو گیا ہے اور پاگل سمجھ کر ہر جگہ اس کی پٹائی ہوتی رہی ہے۔ کیسی دعوت تھی۔ اس میں کیا کھا لیا تھا جس نے دماغ ہی الٹ کر رکھ دیا۔ سب رو رو کر ان سے پوچھتے رہے کہ آخر نکھٹو میاں آپ کو یہ ہو کیا گیا ہے لیکن وہ سب کے ہاتھ پاؤں جوڑ جوڑ کر ایک ہی فرمائش کرتے رہے کہ ان کو "خدا یہ دن سب کو دکھائے خدا یہ دن سب کو دکھائے" پکا کر کھلائے۔

یہ حالت دیکھ کر ماں کو خیال آیا کہ کیوں نہ ان کے اس دوست کو بلا کر پوچھا جائے جو ان کو دعوت میں ساتھ لیکر گیا تھا اور پوچھا جائے کہ آخر ان کے ساتھ یہ ہو کیا گیا۔ کیا کھلا دیا دعوت میں کہ میرے بیٹے کی یہ حالت ہو گئی۔ کہاں سے گزرے کہ کوئی خطرناک جن چڑھ گیا۔ انھوں نے ان کے دوست کو بلا بھیجا۔ نکھٹو میاں کے دوست بھی نکھٹو میاں کے حال احوال سن کر پریشان ہو گئے کیونکہ وہ جب ان سے علیحدہ ہوئے تھے تو اس وقت تک تو نکھٹو میاں ٹھیک ٹھاک تھے۔ پریشانی کے عالم میں جتنی جلد ممکن تھا وہ نکھٹو میاں کے گھر پہنچے۔ گھر والوں نے دروازہ کھلا ہی چھوڑا ہوا تھا۔ جب نکھٹو میاں کے دوست ان کے کمرے کے قریب پہنچے تو نکھٹو میاں اسی خوشامد میں لگے ہوئے تھے کہ خدا کیلیے ان کیلیے "خدا یہ دن سب کو دکھائے خدا یہ دن سب کو دکھائے" پکا دیں اور ان کی یہ فرمائش سن سن کر سب ہی زور زور سے رو رہے تھے کہ آخر کون سا جن ہے جو نکھٹو میاں کے سر سے اتر کر ہی نہیں دے رہا ہے۔ نکھٹو میاں کی باتیں سن کر تو ایک مرتبہ خود ان کے دوست بھی گھبرا گئے۔ ان کے حلیے پر نظر پڑی تو خوف کی وجہ سے وہ خود بھی کانپنے لگے اس لیے کہ نکھٹو میاں کی حالت پاگلوں سے بھی زیادہ بدتر تھی۔ نکھٹو میاں کے دوست کو دیکھ کر جو لوگ بھی ان کے کمرے میں موجود تھے سب نے نکھٹو میاں سے کہا کہ دیکھو تمہارے دوست آئے ہیں۔ نکھٹو میاں نے گردن اٹھا کر اپنے دوست کو دیکھا تو ایک دم پلنگ سے اچھل کر کھڑے ہو گئے اور اس سے پہلے کہ مارے خوف کے ان کے دوست واپسی کا راستہ پکڑتے، نکھٹو میاں ان سے جا چمٹے۔ ان کے دوست کی تو جان ہی نکل کر رہ گئی۔ نکھٹو میاں ان سے لپٹ کر بس ایک ہی بات کہے جا رہے تھے کہ یار بتاؤ وہ جو ہم نے دعوت میں سفید سفید اور پیلا پیلا کھایا تھا وہ کیا تھا۔ خوف کی وجہ سے نکھٹو میاں کی بات ان کو بہت دیر میں سمجھ میں آئی۔ ان کے منہ سے ڈری ڈری آواز میں نکلا وہ تو "کھچڑی" تھی۔ یہ سننا تھا کہ نکھٹو میاں نے اپنے دوست کو تو اپنے سے دور کیا اور بیوی کے گلے میں جھول گئے اور زور زور سے کہنے لگے کہ بیگم جلدی سے کھچڑی پکاؤ۔ ہم نے اس کھچڑی کی وجہ سے بہت ہی مار کھائی ہے۔ یہ کہہ کر سب کو حیران و پریشان چھوڑ کر اپنے اجلے کپڑے نکالے اور غسل خانے کی راہ لی۔

دوست کو اب ہر بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ ڈر دور ہو گیا تھا اور گھر والے بھی پرسکون ہو چکے تھے۔ بیوی کھچڑی پکانے جا چکی تھی اور ماں اپنے بہتے آنسو پونچھ رہی تھی۔

اِدھر کھچڑی تیار ہو چکی تھی اُدھر نکھٹو میاں نہا دھو کر اور حلیہ بدل کر سب کے درمیان بیٹھے اپنا ساری کہانی بیان کر رہے تھے۔ ان کی کہانی سن کر کبھی کوئی اظہار افسوس کر رہا تھا، کبھی مسکرا رہا تھا اور کبھی کوئی ان کی بے پناہ معصومیت پر دل میں اللہ سے ان کے حق میں نیک دعائیں مانگ رہا تھا۔

عروج دبیر
jasaratsundaymag@gmail.com

معما

ساری حکومتی مشینری حرکت میں تھی مگر کسی طور بھی مظفر علی کے قتل کا معما حل نہیں ہو رہا تھا۔ مظفر علی عرصہ درز سے ملک بھر میں ایک پراسرار مجرم کے طور پر مشہور تھا مگر کسی کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔ تمام ملکی ایجنسیاں اس کے تعاقب میں تھیں۔

مظفر علی کے بارے میں رائے مستند سمجھی جاتی تھی کہ وہ ملک میں ہونے والی تمام دہشت گردیوں میں ملوث ہے اور اس میں غیر ملکی طاقتیں اس کی معاون ہیں۔ اس کے بے شمار کاروبار تھے تمام قانون نافذ کرنے والے ادارے ہر ممکن کوشش کے بعد اس کے کسی کاروبار کو غیر قانونی یا غیر اخلاقی ثابت نہ کر سکے تھے۔

بالآخر برسوں کی محنت کے بعد خفیہ ایجنسیاں مظفر علی کے خلاف ملک دشمنی کے ثبوت اکٹھے کرنے میں کامیاب ہو ہی گئیں اور اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ حکومت کی پوری کوشش تھی کہ مظفر علی کی گرفتاری ظاہر نہ کی جائے مگر میڈیا نے تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ میڈیا کے دباؤ پر حکومت کو مظفر کی گرفتاری ظاہر کرنی پڑی۔

کافی عرصہ تک مظفر کی گرفتاری کی خبر گرم رہی مظفر کو جیل منتقل کر دیا گیا اور جیل میں ہی اس سے تفتیش کی جاتی رہی۔ اس نے بہت سے راز اُگل دیے۔ مگر ابھی بھی تفتیشی ٹیم کو یقین تھا کہ وہ بہت کچھ چھپا رہا ہے۔ اس کو سخت حفاظتی تحویل میں رکھا گیا تھا۔

اس سے راز اُگلوانے کے لیے اس پر سختی بھی بہت کی گئی۔ بھوکا پیاسا بھی رکھا گیا، مار بھی خوب پڑی، مگر مظفر علی اس راز سے پردہ نہیں اُٹھا رہا تھا کہ ملک میں کون کون سی بڑی مچھلیاں اس کی مددگار ہیں۔ ظاہر ہے بغیر کسی بڑی اثر و رسوخ والی ٹیم کو شامل کیے وہ اس قدر دہشت نہیں پھیلا سکتا تھا۔

چونکہ ملک کی پولیس کا نظام ایسا ہے کہ پیسہ خرچ کر کے ہر چیز حاصل کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا مظفر علی زیر تفتیش تو تھا مگر اس کو تمام سہولتیں حاصل تھیں۔

وہ سخت پہرے میں تھا، وہ جس کمرے میں قید تھا اس میں کوئی کھڑکی بھی موجود نہ تھی۔ اس کو جب بھی کسی ضرورت کے تحت باہر لے جایا جاتا تو اس کے ساتھ ایک درجن سے زائد پولیس اہلکار ہوتے جب سے وہ قید ہوا تھا۔ اس کو جیل سے باہر نہیں لے جایا گیا، رات کو اس کے ہاتھوں کی بیڑیاں کھول دی جاتی تھیں ورنہ اس کے پیروں اور ہاتھوں میں بیڑیاں تھیں۔ اس کے کمرے میں صرف انسپکٹر لیول کا آفیسر ہی جاسکتا تھا وہ بھی محافظوں کے ساتھ۔

ایک دن جب صبح ایک انسپکٹر اسے تفتیش کے لیے پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مظفر علی فرش پر بے سدھ پڑا ہے اور اس کے گلے میں ایک سوراخ ہے۔ تقریباً ایک سے دو انچ کا۔ سارے فرش پر خون ہی خون ہے وہ نہ جانے کون سے پہر قتل کر دیا گیا تھا۔

سارے ملک میں کھلبلی مچ گئی۔ میڈیا کی سب سے بڑی خبر بن گئی۔ مظفر علی کا قتل ہو گیا۔ وہ بھی پولیس کی کسٹڈی میں، کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ فوری طور پر جیل کے تمام عملے کو معطل کر دیا گیا، جیلر سمیت کئی افسر گرفتار کر لیے گئے۔

اعلیٰ سطح کے کمیشن بنائے گئے۔ مکمل تحقیقات کی گئی۔ ملکی اور غیر ملکی میڈیا کے بے پناہ دباؤ کو حکومت جھیل رہی تھی۔ طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں، کوئی کہہ رہا تھا حکومت کی نااہلی ہے کہ جیل کسٹڈی میں ملزم کو قتل کر دیا گیا تھا۔ عالمی انسانی حقوق کی تنظیمیں بھی خوب واویلا مچا رہی تھیں۔ دشمن ملک بھی خوب بھڑاس نکال رہا تھا، ماورائے عدالت قتل پر مظاہرے بھی شروع ہو چکے تھے۔

میں بھی ایک عام شہری کی طرح اس واقعہ میں دلچسپی لے رہا تھا۔ میں ایک سپاہی ہوں اپنی سروس کے دوران میں نے بہت پیچیدہ پیچیدہ کیس نہ صرف دیکھے بلکہ حل بھی کیے ہیں۔ میری آنکھ موبائل کے مسلسل بجنے کی وجہ سے کھلی تھی۔ میرے ہیڈ آفس سے فون تھا مجھے فوری رپورٹ کرنے کا کہا گیا تھا۔ جب میں ہیڈ آفس پہنچا تو مظفر علی قتل کیس کی فائل مجھے دے کر کیس مجھے سونپ دیا گیا تھا۔

میں نے اپنے باس سے پوچھا سر یہ کیس تو بہت ہائی پروفائل ہے مجھے یہ کیوں سونپا گیا ہے۔ تو میرے باس نے ہمیشہ کی طرح بے اعتنائی سے کہا۔ حکم صرف حکم ہوتا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں ہوتی وہ پورا کرنا ہوتا ہے کبھی میرے باس نے کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کی تھی۔

بہرحال میں فائل کے مطالعے میں غرق ہو گیا۔ مظفر علی کو قتل ہوئے 3 ماہ ہو چکے تھے اس قتل کا معمہ حل کرنے کے لیے اعلیٰ ترین افسر 4 مرتبہ تبدیل ہو چکے تھے۔ میں نے بار بار کیس کا مطالعہ کیا میں بری طرح چکرا کر رہ گیا۔ کیس کی تفصیل میں نے نوٹ کر لی۔

مظفر علی کو کسی تیز دھار آلے سے بہت قریب سے حلق میں زخم مارا گیا تھا۔ زخم تقریباً 2½ انچ گہرا اور 2 انچ چوڑا تھا۔ زخم کی نوعیت سے لگ رہا تھا کہ کسی موٹے سوئے سے ضرب لگائی گئی ہے۔ یعنی آلہ قتل کی بناوٹ یکساں نہیں تھی وہ آگے سے پتلا اور پیچھے سے تھوڑا چوڑا تھا۔

زخم لگنے سے شریان کٹ گئی تھی جو فوری موت کا سبب بنی۔ مظفر علی کے جسم پر کسی زخم کا اور کوئی نشان نہیں تھا۔ اس کے کمرے سے ملنے والی اشیاء میں ایک پانی کی بوتل جو لاش سے 3 فٹ کے فاصلے پر ملی تھی۔ اس بوتل کے ساتھ مقتول کے ایکسرے کا تقریباً 4 انچ کا پھٹا ہوا حصہ اور ایکسرے کا ایک بڑا حصہ ملا تھا۔

مقتول نے ایک ہفتہ قبل سینے میں درد کی شکایت کی تھی پھر اس کا طبی معائنہ جیل میں ہی کرایا گیا تھا اور ایکسرے بھی اس ہی کمرے میں لیا گیا تھا۔

کمرے میں اس کے علاوہ مقتول کے استعمال کی کچھ چیزیں تھیں۔ مجھ سے پہلے والے تفتیشی افسران نے امکان ظاہر کیا تھا کہ آلہ قتل مقتول کے نیل کٹر میں موجود چاقو بھی ہوسکتا ہے۔ مگر یہ قیاس بھی غلط ثابت ہو گیا کیونکہ مقتول کے پاس موجود نیل کٹر میں چاقو نہیں تھا۔ مظفر علی کا بیرونی دنیا سے تمام رابطہ منقطع تھا اس کو ابھی وکیل کی سہولت بھی نہیں دی گئی تھی۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں بھی صرف یہی بات درج تھی کہ حلق میں لگنے والا زخم موت کا سبب بنا اور موت کا وقت رات 3 اور 4 کے درمیان تھا۔

رات 10 بجے آخری مرتبہ مظفر علی کو زندہ دیکھا گیا تھا جب اس کو معمول کے مطابق رات کا کھانا دیا گیا تھا۔ اس کی موت کا صبح 8 بجے علم ہوا جب اس کا ناشتہ دینے کے لیے ایک انسپکٹر اندر گیا۔

فارنزک رپورٹ کے مطابق کمرے کے اندر موجود ہر چیز پر صرف مظفر علی کی انگلیوں کے نشانات تھے یا پھر پولیس کے۔ سرکاری طور پر مظفر علی کو جس کمرے میں رکھا گیا تھا اس میں صرف ایک بستر موجود تھا۔

میں نے جب تحقیقات کی تو کچھ ایسی چیزیں بھی سامنے آئیں جن کا کسی بھی رپورٹ میں اندراج نہیں تھا۔ مظفر علی کو کمرے میں ٹی وی اور فریج بھی دستیاب تھا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے یہ تھی کہ وہ بہت اثر و رسوخ والا آدمی تھا۔ یہ سب تفصیلات جمع کر کے میں بری طرح چکرا گیا۔ بار بار میرے ذہن میں متعدد سوالات اُبھر رہے تھے، جن کا جواب صرف مظفر علی دے سکتا تھا مگر اب یہ جواب مجھے خود تلاش کرنے تھے۔ وقوع کے مطابق پانی کی بوتل میں مظفر علی کے ایکسرے کا ایک ٹکڑا دوہرا پھنسا ہوا تھا۔ جب مظفر علی کی لاش دریافت ہوئی تو بوتل میں وہ ٹکڑا بھی موجود تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ ایکسرے کا ٹکڑا جس چیز سے بھی علیحدہ کیا ہے اس ہی چاقو سے مظفر علی پر وار کیا گیا ہوگا مگر میرے اس سوال کے جواب نے مجھے مزید چکرا دیا۔ ڈیوٹی پر موجود سپاہی نے اعتراف کیا ایکسرے کا ٹکڑا اس نے مظفر علی کے کہنے پر 6 دن قبل اس نے پھاڑ کر دیا تھا۔ اس ٹکڑے کو مظفر علی انگلیوں میں پھنسا کر اس سے میوزک پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

یہ بات واضح تھی کہ مظفر علی کا زندہ رہنا بہت سارے لوگوں کے لیے ناقابل برداشت تھا کیوں کہ اگر مظفر علی ملک میں موجود لوگوں کا بتا دیتا تو سب کے سب پکڑے جاتے۔ یعنی قتل کی وجہ تو موجود تھی۔ مگر وہ کیسے قتل کیا گیا معما حل ہی نہیں ہو رہا تھا۔ CCTV کیمرے کی ریکارڈنگ سے بھی یہ بات ثابت تھی کہ مظفر علی کے کمرے میں کوئی آیا نہ گیا۔

آلہ قتل اگر مل جاتا تو شاید یہ معما حل ہونے کا امکان ہوتا۔ اس قتل میں ہر امکان کا میں نے بغور جائزہ لیا۔ میں غیر مرئی قوتوں یعنی جنات وغیرہ کے وجود کا قائل تھا مگر میری رائے میں یہ مخلوق کیا ہے کیسی ہے اس کا ادراک کسی کو نہیں ہوسکتا۔ میں نے اپنے عقیدے کے برخلاف اس پہلو پر بھی غور کیا کہ کیا یہ جنات کا کام ہے تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسا ناممکن ہے۔

مجھے اس کیس پر کام کرتے ہوئے 2 ماہ مکمل ہو چکے تھے مگر اب میں تھکتا جا رہا تھا۔ بے زار ہو رہا تھا، میری راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد میں کوئی سرا تلاش کر رہا تھا۔ مگر مسلسل ناکامی کا سامنا کر رہا تھا، سامنے کی بات یہ تھی کہ اس قدر سخت پہرے میں قاتل کس طرح قتل کر کے غائب ہو گیا کہ کوئی زرہ نشان بھی نہ ملا۔

نہ جانے رات کس پہر نیند آئی کہ میں دیر تک سوتا رہا۔ میری آواز اپنی بیوی اور ماسی کی باتوں سے کھلی تھی، مجھے اپنی بیوی کافی خوش لگ رہی تھی میں نے سوچا چلو چل کر دیکھتا ہوں یہ کس بات پر خوش ہو رہی ہے۔

میری بیوی کچن میں ماسی کے ساتھ کھڑی تھی اور فاتحانہ انداز میں ایک کونے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا کیا ہوا تو اس نے بتایا کہ جو چوہا ایک ماہ سے ہر چیز کو تہس نہس کر رہا تھا آج اس نے مار دیا۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا تم نے یہ کارنامہ کیسے سرانجام دے لیا۔ تو میری بیوی نے بتایا کہ اس نے رات کو فریج بند کر دیا تھا کہ وہ صبح ماسی کے ساتھ مل کر فریج کو دھوئے گی۔ صبح جب ماسی آئی تو انہوں نے فریج سے برف صاف کی، جگہ جگہ برف کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بکھر گئے تھے کہ اچانک وہ چوہا ایک کونے میں بیٹھا نظر آیا۔ میری بیوی نے موقع سے فائدہ اٹھانے کا سوچا سب سے قریب ترین چیز جو اس کو چوہے کو مارنے کے لیے مل سکی وہ برف کا ٹکڑا تھا۔ میری بیوی نے وہی ٹکڑا چوہے کو دے مارا۔ شاید قدرت کو چوہے کی موت منظور تھی کہ میری بیوی کا نشانہ ٹھیک لگا وہ برف کا نوکیلا ٹکڑا چوہے کی کمر میں پیوست ہو گیا۔ جس سے چوہا زخمی ہو گیا پھر زخمی چوہے کو مارنا بہت آسان ثابت ہوا۔

میں ہکا بکا بیوی کے کارنامے میں اُلجھ گیا۔ میرا دماغ نہایت تیزی سے کام کرنے لگا۔ مجھے بہت اہم نکتہ مل گیا تھا۔ بیوی کے لاکھ روکنے کے باوجود بغیر ناشتہ کیے میں کام پر نکل گیا۔

4 دن کی محنت کے بعد مجھے زبردست کامیابی ملی۔ چوہے کی موت نے مجھے ایک مفروضہ دیا میں نے اس پر کام کیا۔

میں نے مظفر علی کی موت کا معما حل کر لیا۔ مظفر علی نے خودکشی کی تھی وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ ملک میں موجود اپنے لوگوں کے نام لینا نہیں چاہتا تھا۔ جب اس کو بچنے کی کوئی اُمید نظر نہ آئی تو اس نے خودکشی کا ارادہ کر لیا۔ اس کے پاس خود کو مار دینے کے لیے کوئی ہتھیار موجود نہیں تھا۔ اس نے فریج میں موجود بوتل کو ہتھیار بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے بہانے سے سپاہی کے ذریعے ایکسرے کے ٹکڑے کو دوہرا کر کے بوتل میں پھنسا کر پوری بوتل پانی سے بھر لی اور فریج میں جمنے کے لیے چھوڑ دیا۔ جب دو سے تین دن میں بوتل میں برف جم گئی تو اس نے بوتل میں سوراخ کر لیا اور آدھی بوتل پھاڑ لی۔ جس سے بوتل کے اگلے حصہ میں جمی ہوئی برف ایک تیز دھار آلے میں تبدیل ہو گئی تھی۔

اس آلے کو مظفر علی نے اپنے حلق میں اپنے ہاتھوں سے دے مارا۔ نتیجتاً وہ زخمی ہو کر گرا اور کچھ دیر میں مر گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ برف پگھل گئی اور آلہ قتل کا نام و نشان تک نہ رہا۔

میں نے یہ تمام واردات عملی تجربہ کر کے دکھا دی۔ ہر جگہ میری دھوم مچ گئی۔ مجھے اگلے عہدے میں ترقی مل گئی۔ تعریفی سند اور انعام بھی مل گیا۔ مگر آج تک یہ خلش دل سے نہیں جاتی کہ کاش مظفر علی خودکشی نہ کرتا تو آج ملک میں دہشت گردی کی جڑیں ختم ہو چکی ہوتیں۔

Pharmevo®
Our dream, a healthier society

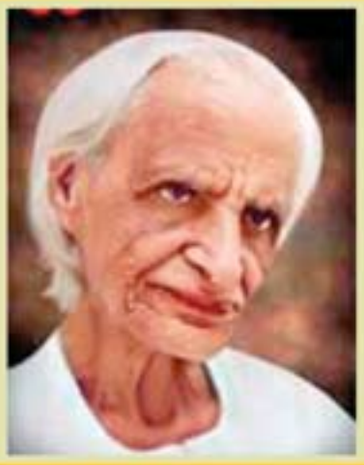

صدیوں تک اہتمامِ شبِ ہجر میں رہے
صدیوں سے انتظارِ سحر کر رہے ہیں ہم
رئیس امروہوی

PAK NEWS PAPERS

ٹائی راڈ

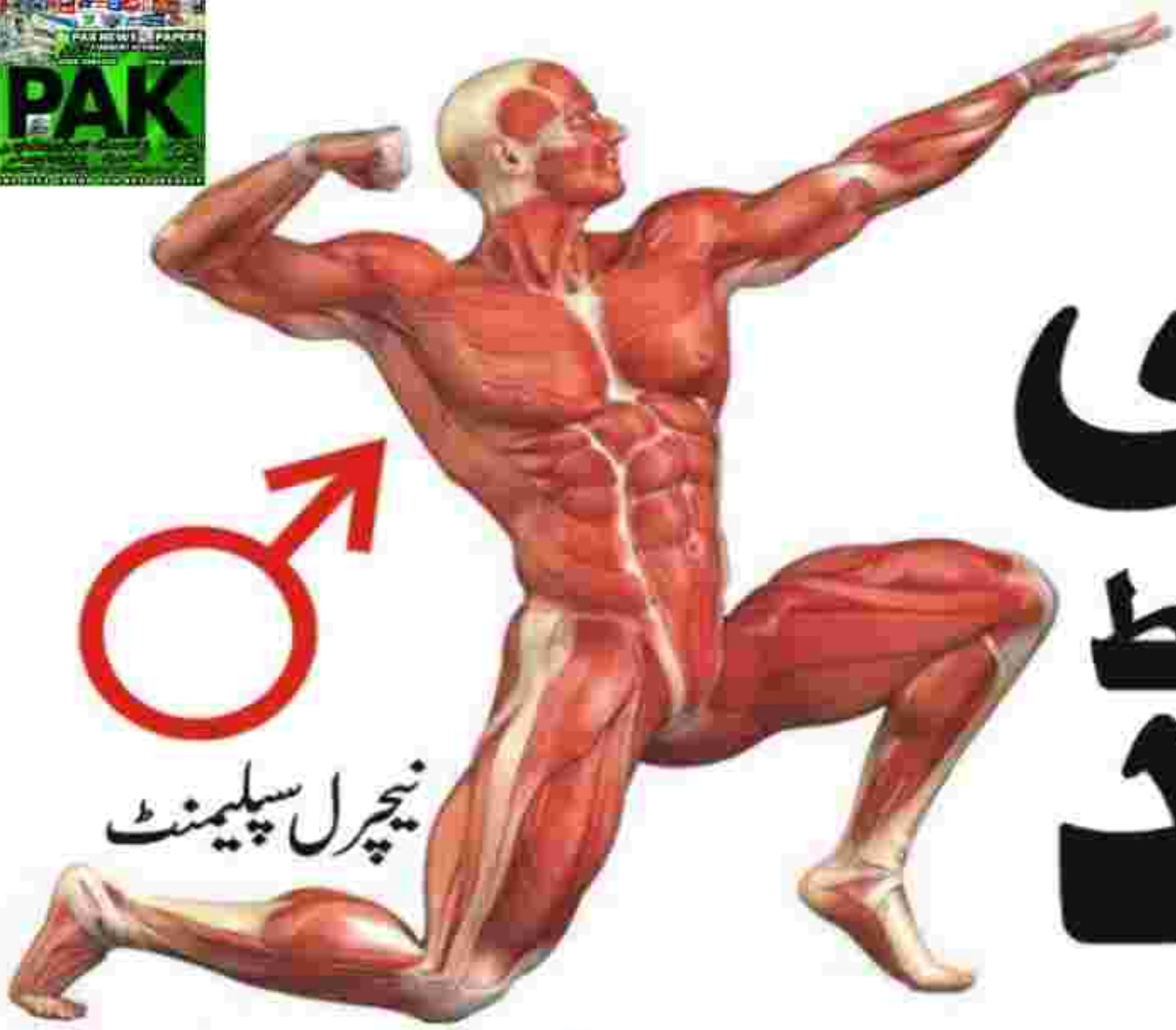

پٹھوں کی کمزوری مردانہ کمزوری ختم کرے

شوگر کی وجہ سے مردانہ کمزوری ختم

جراثیم پیدا کرے

شادی شدہ وغیر شادی شدہ کیلئے تحفہ خاص

ترش اشیاء ارکولڈ ڈرنک سے پرہیز کریں

نامرد کو مرد بنائے

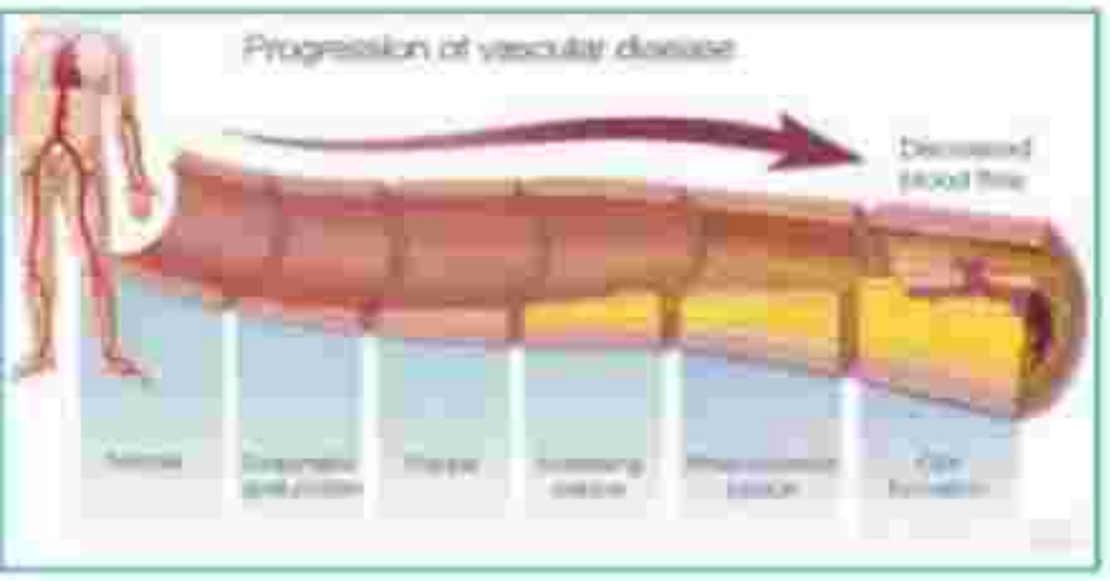

اپنا آرڈر

10 کیپسول قیمت -/1000 روپے

Whatsapp یا SMS بھی کر سکتے ہیں

30 کیپسول قیمت -/2500 روپے

پورے پاکستان میں ہوم ڈیلوری کی سہولت

YouTube qayumi dawa khana

Deva Herbal

0345-7000088 منگوانے کیلئے 0300-0776935-6-7-8

0300-2500026 منگوانے کیلئے 0334-0700800

PUBLICITY BY: WHATSAPP GROUP PAK NEWS PAPERS TILL 12-Oct-2019

نوشاہی معجون شباب نوابی پاور+طلأ

نوجوانوں کے دیرینہ مسائل کا حل

دور حاضر کے نوجوانوں کا ایک دیرینہ مسئلہ یہ ہے کہ کثرت احتلام، مادہ منی کی رقت، مادہ کی کمی، ذکاوت حس اور سرعت انزال، معمولی خیالات کے بعد قطرے آنا، پیشاب سے پہلے یا بعد میں لیس دار مادے کا اخراج، اسی بیماری کی وجہ سے نوجوان انتہائی احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور بعض تو شادی سے انکار کرتے ہیں حالانکہ یہ کوئی اتنی سنگین بیماری نہیں ہے ہمارا نوشاہی معجون شباب اس کیلئے انتہائی مجرب اور مفید ہے۔

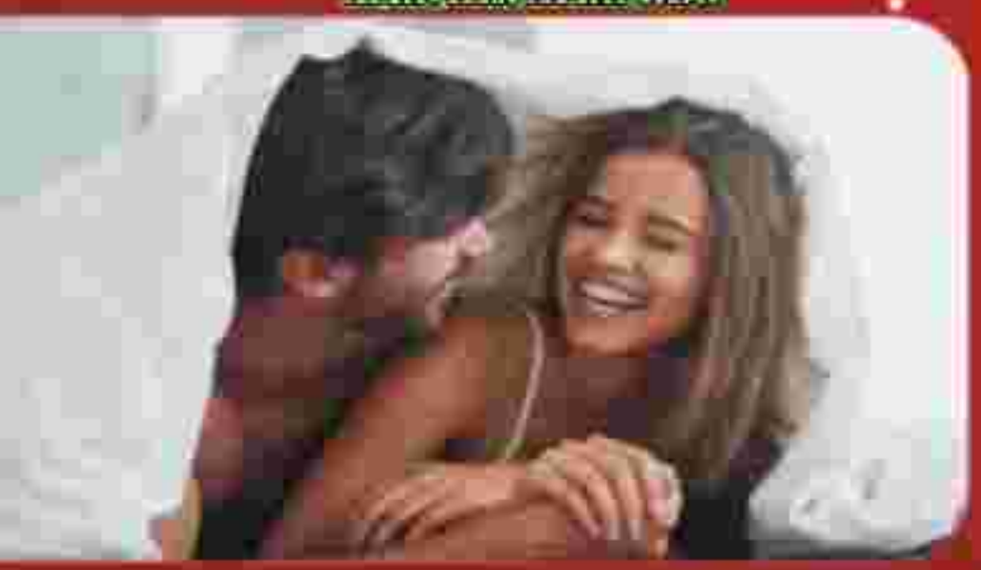

- نقائص کو دور کر کے مردانہ بانچھ پن کو ختم کرتا ہے۔
- تمام اعصاب کو قوت دیتا ہے۔
- سستی اور کاہلی مکمل ختم کر دیتا ہے۔
- مردانہ قوت میں بے مثال ہے۔
- مادہ کے اخراج کی رفتار تیز کر کے حمل قرار پاتا ہے۔
- مردوں کی جنسی کمزوری کو دور کر کے نیا جوش وولولہ پیدا کرتا ہے۔
- منی میں سپر مینا زوا کی کمی، ضعف کرم منی میں مفید ہے۔
- سرعت انزال، جریان میں مفید ہے۔
- قوت اور شباب کو قائم رکھتا ہے۔

معجون-/3500 روپے پورے پاکستان میں ڈیلوری کیلئے رابطہ کریں طلاء-/2500 روپے

YouTube qayumi dawa khana Catrain Y! Bdhdeva@yahoo.com

0300-2500026

0333-5203553 منگوانے کیلئے **0300-6389463**

PUBLICITY BY: WHATSAPP GROUP PAK NEWS PAPERS TILL 12-Oct-2019

ایک ماہ میں نسوانی حسن میں اضافہ کریں

PAK

بریسٹ ڈویلپنگ اینڈ ٹائٹننگ آئل

ہر عمر کی خواتین کیلئے

ان لڑکیوں کیلئے بنایا گیا ہے جو نسوانی حسن کا شکار ہیں ہر عورت کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بریسٹ ٹائٹ سڈول اور جاذب نظر ہوں لیکن کچھ لڑکیوں کے بریسٹ بہت چھوٹے ہوتے ہیں جو کہ ہارمونز کی کمی کی وجہ سے ہوتے ہیں ۔ بہت سی کنواری لڑکیاں جن میں ہارمونز کی کمی کے باعث بریسٹ گروتھ نہیں کرتے لیکن بہت ساری لڑکیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے بریسٹ کنواری عمر میں تو ٹھیک ہوتے ہیں لیکن شادی کے بعد جب بچے کی پیدائش ہوتی ہے تو اکثر لڑکیوں کے پستان چھوٹے ہوتے جاتے ہیں یا اتنے لٹک جاتے ہیں کہ نظر ہی نہیں آتے ۔ایسی صورت میں لڑکیاں احساس کمتری کا شکار ہو جاتی ہیں ۔اس صورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہربل میڈیسن کے حکماء نے بریسٹ ڈویلپر آئل تیار کیا ہے جو ہارمونز کو بڑھنے میں مدد دیتا ہے جو مکمل طور پر دیسی جڑی بوٹیوں سے تیار کیا گیا ہے۔ یہ آپ کی چھاتی کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ ان میں تناؤ لا کر خوبصورت بھی بناتا ہے۔ یہ بریسٹ کے ہارمونز کی افزائش کو درست کر کے ان میں تناؤ لا کر مزید خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔

YouTube Deva Herbal Health Tip Catrain Y! Bdhdeva@yahoo.com

0333-5203553, 0300-0776934

منگوانے کے لیے 0300-2500026

PUBLICITY BY: WHATSAPP GROUP PAK NEWS PAPERS TILL 12-Oct-2019

PAK NEWS PAPERS
CURRENT AFFAIRS
ایزی پیسہ نمبر
0348-2036026
جاز کیش نمبر
0302-3204429
PAK
اسلامی معلومات
پاکستانی اخبارات اور میگزین
کرنٹ افیئرز اور روزانہ کی ورکیں وغیرہ
پڑھنے کی خبریں
تعلیمی آسانیاں اور نوٹس
پاکستانی ڈرامے فری اردو انگلش فلمیں
واٹس ایپ گروپ میں ایڈ ہونے کی ماہانہ فیس صرف پچاس روپے ہر مہینے جمع کروانا لازم ہوگی
THE BEST GROUP FOR BEST PEOPLE

پاک نیوز پیپرز

PAK NEWS PAPERS

ہماری ہر PDF فائل

کے آخر میں اپنا کاروباری اشتہار واٹس ایپ
پر مشہوری کے لیے ایڈجسٹ کروائیں یا
لگوائیں وہ بھی مناسب قیمت میں

اشتہارات بکنگ کے لیے

رابطہ نمبرز
0302-3204429
0348-2036026

پاکستان کا نمبر 01 واٹس ایپ گروپ

خوشخبری

WHATSAPP GROUP

PAK NEWS PAPERS

پاک نیوز پیپرز

پاکستان اور دنیا کی تازہ ترین معلومات کی بہترین پانچ سہولیات آپ کے ہاتھوں میں ہمارے پاک نیوز پیپرز واٹس ایپ گروپ کی ماہانہ ایڈوانس فیس صرف پچاس روپے ہے جاز کیش یا ایزی پیسہ کی صورت میں پاک نیوز پیپرز کے دیے گئے نمبرز پر فیس جمع کرا کر ایڈ ہو سکتے ہیں۔

- اسلامی اصلاحی مواد
- ہر گھنٹے کی خبریں
- روزانہ کی اخبارات
- روزانہ کی نوکریاں ٹینڈرز' ایڈمیشنز
- ٹی وی ٹاک شوز' ڈرامے فلمیں اور سبق آموز ویڈیوز

ایڈوانس ماہانہ فیس صرف پچاس روپے

جاز کیش اکاؤنٹ نمبر 0302-3204429

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر 0348-2036026

نام بی 786 کافی بے

WHATSAPP GROUP : PAK NEWS PAPERS

اگر آپ پاک نیوز پیپرز واٹس ایپ گروپ میں ایڈ ہونا اور مندرجہ ذیل مواد حاصل کرنا چاہتے ہیں

۱۔ اسلامی اصلاحی مواد
۲۔ تمام پاکستانی اخبارات
۳۔ روزانہ نوکریوں کے اشتہارات
۴۔ ہر گھنٹے کی ٹی وی خبریں
۵۔ انٹرنیشنل اخبارات
۶۔ پاکستانی ٹینڈرز اور ایڈمیشنز اشتہارات
۷۔ کرکٹ میچ اپڈیٹس
۸۔ سنڈے میگزین
۹۔ پاکستانی ٹی وی نیوز چینلز ٹاک شوز
۱۰۔ پاکستانی ٹی وی گیم شوز
۱۱۔ انٹرنیشنل میگزین
۱۲۔ کوکنگ، سلائی اور کمپیوٹر کورس ویڈیوز
۱۳۔ بچوں کے کارٹونز
۱۴۔ سبق آموز ویڈیوز
۱۵۔ پاکستانی اور انڈین ٹی وی ڈرامے
۱۶۔ حقیقت ٹی وی ویڈیوز
۱۷۔ اقوال زریں
۱۸۔ پاکستانی، انڈین، انگلش ٹی وی فلمیں
۱۹۔ تعلیمی اور معلوماتی کتابیں
۲۰۔ ہر مہینے ناولز اور ماہانہ ڈائجسٹ

ابھی گروپ میں ایڈ ہونے کی ماہانہ فیس صرف 50 روپے جازکیش یا ایزی پیسہ اکاؤنٹ میں جمع کروا کر ایڈ ہو سکتے ہیں جو ہر مہینے جمع کروانا لازم ہوگی۔

فیس جمع کروانے کا طریقہ

کسی بھی جازموبی کیش یا ایزی پیسہ شاپ پر جا کر مندرجہ ذیل نمبرز پر ایڈوانس ماہانہ فیس جازکیش یا ایزی پیسہ اکاؤنٹ میں ادا کریں اور کال کر کے اپنا نمبر ہمارے واٹس ایپ گروپ میں ایڈ کروائیں

جازکیش اکاؤنٹ کے ذریعے فیس اس نمبر پر ادا کریں **0302-3204429**

ایزی پیسہ اکاؤنٹ کے ذریعے فیس اس نمبر پر ادا کریں **0348-2036026**

ایزی لوڈ بھیجنے والا ممبر واٹس ایپ گروپ پاک نیوز پیپرز میں ایڈ **نہیں** کیا جائے گا۔

جازکیش یا ایزی پیسہ شاپ سے کم سے کم 100 روپے کا کیش بھیجا جا سکتا ہے لہذا ممبران 02 ماہ کی فیس ایک ساتھ جمع کروا سکتے ہیں۔

پاک نیوز پیپرز واٹس ایپ گروپ رولز اور نوٹ

۱۔ نقالوں سے ہوشیار رہیں دیے گئے نمبرز کے علاوہ کسی دوسرے نمبر پر فیس ادا نہ کریں۔
۲۔ فیک پاک نیوز پیپرز گروپ بنا کر فیس لینے والوں سے پاک نیوز پیپرز کا کوئی تعلق نہیں فل فور ہمارے گروپ سے نکال دیا جائے گا۔
۳۔ کوئی بھی پوسٹس یا کمینٹس کرنے پر گروپ سے نکالا گیا ممبر کو گروپ فیس کی واپسی کا مجاز نہیں۔
۴۔ گروپ میں ٹرائل نہیں دیا جاتا جو ممبر فیس ادا کرتا ہے وہی ایڈ کیا جاتا ہے۔
۵۔ پاک نیوز پیپرز میں ممبرز کو ایڈمنز کی اجازت کے بغیر کسی بھی طرح کی پوسٹ کرنا منع ہے۔
۶۔ گروپ میں نمبر تبدیل کرنے اور ڈمانڈ کرنے کی اجازت نہیں ہے "ایڈمن پینل جو مواد بتا چکا وہی گروپ میں ملے گا۔
۷۔ کوئی سپیشل ڈمانڈ پوری نہیں کی جائے گی۔ **پاکستان کا سب سے بڑا نمبر 1 واٹس ایپ گروپ**

PAK NEWS PAPERS HELP LINK CLICK HERE